

188428

DAMAGE BOOK

Osmania University Library

Call No. 9545.1

Accession No.

۵ - ۹

۱۴۳۱۲

Author

امداد صابری

۱۲۳۱۲

Title

تاریخ جرم و سزاء

This book should be returned on or before the date last marked below.

تاریخ مخموم و سزا

امداد صابری

تأخسانه

مادر مکتب جدید آباد

پبلیشر امداد صابری چوڑی والان - دہلی

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے
قیمت بلا جلد دو روپے

اس حقیر تاریخی کوششوں کے مجموعہ کو
 میں اپنے والد بزرگوار حضرت قبلہ مولانا شرف الحق صاحب
 کے نام مضمون کرتا ہوں

جن کی پدرانہ محبت اور جدوجہد نے مجھ کو اس
 خدمت کے قابل بنایا

اور جن کی یاد میں میرا دل ہمیشہ بے چین رہتا ہے

مجھ کو اللہ رب العزت انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دو آمین

امداد صابری (نظر بند)
 چوڑیوالاں - دہلی

۱۹۴۴ء
 ۱۹ جنوری

جس موضوع تحریف انجیل پر یکم اپریل ۱۸۵۴ء میں آپ کے استاد مولانا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ میں لاجواب کیا تھا اسی موضوع پر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دہلی کی مسجد فتحپوری کے اندر لارڈ بشپ جے۔ اے۔ لیفرائے پرسنل مشن کالج دہلی سے مناظرہ کیا۔

دہلی اور دہلی کے اطراف کے اضلاع میں اس مناظرے نے ایک ہلچل مچادی تھی جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور آپ میں یہ طے ہوا تھا کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے گا وہ عام مجمع مناظرہ میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا۔ اور شکست نامہ لکھ کر دے گا۔ نیز ہارنے والا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا۔

اس مناظرہ میں آگرہ، علی گڑھ، میرٹھ، دیوبند، اور سہارنپور کے مسیحی و مشاہیر و علماء نے شرکت کی عیسائی حضرات بھی ان اضلاع سے آئے۔ مناظرہ ہوا۔ مناظرہ میں پہلے روز مجمع میں بکس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بحث چھ سات گھنٹے جاری رہی لیکن ناتمام۔ دوسرے دن پھر ہوئی پہلے روز کی عالمانہ اور فاضلانہ بحث نے سہر میں اور آگ لگا دی تھی۔ دوسرے روز مناظرہ میں قریب قریب تمام شہر آگیا۔ مناظرہ شروع ہوا ایک گھنٹہ لگا کہ فیصلہ ہو گیا اور مولانا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مقابل لیفرائے کو شکست فاش دی اس جم غفیر میں اس نے اپنے مذہب کو نہ بدلائین تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوتی ہے اور حسب ذیل تحریر لکھ کے حوالے کی۔

”میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمہ اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں و ٹریکیٹوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی۔ وہ آیتیں ان میں نہیں ہیں۔ لہذا میں وہی اصلی انجیل کی باتیں سچی ماننا ہوں۔ چند مستشرقین شعراء کے قول انجیل شریف میں ملے ہوئے ہیں۔“

دستخط جی۔ اے۔ لیفرائے

غازی پور مشن سکول میں ۸ مارچ ۱۸۸۵ء یکشنبہ کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے تین گھنٹے کی بحث کے بعد جواب ہو کر آخر میں تین ہزار کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظوں میں کیا کہ ہم میں اتنا علم اور لیاقت نہیں ہے کہ مولانا صاحب سے مقابلہ کر سکیں مولانا صاحب نے ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں کہ اس پر مولانا صاحب کو صد آفریں ہے۔

مناظرہ کا ڈھنگ | آپ کا مقابلہ کو شکست دینے کا یہی طریقہ تھا کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں مقابل کی کتابوں کے حوالے پیش کرتے تھے اور سنی ڈھال کو اسی کے لئے خطرناک بنا دیتے تھے جن سے اس کا عاجز ہونا لازمی تھا۔

آپ کے لیکچر اور مناظرے عامیانہ رنگ سے بالکل پاک و صاف

ہوتے تھے اور ایک محققانہ اور عالمانہ شان رکھتے تھے۔ آپ کی قابلیت و لیاقت کی تحریف و توصیف میں غیر مذاہب کے ذمہ دار اور سنجیدہ اور متین حضرات نے بھی حصہ لیا ہے اور جنہوں نے آپ کے لیکچر سنے ہیں انہوں نے بھی آپ کی ذہانت کا سگہ مانا ہے چنانچہ مسٹر جے جبرار ہوم ڈیپارٹمنٹ مسٹر ایچ، ایس ہارلس فورن سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا، مسٹر فریڈرک ٹیلینڈ جبرار طبری ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا، مسٹر تنہا نیس مہاراجہ چھوٹا ناگپور مسٹر ایم بی ولسن سیکرٹری ڈیپارٹمنٹ مسٹر بکھوہ لے ڈپٹی کمنشنر سٹلہ وغیرہ آپ کے ملاح میں سے ہیں۔

تبلیغ اسلام | آپ مناظروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کو بھی درست کرتے اور ان کو مشرع بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ نے پنجاب، سندھ، بہار، بنگال، یوپی کا کوئی ضلع نہیں چھوڑا جہاں آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم نہ دی ہو اور احمیاء شریعت نہ کی ہو۔ سینکڑوں ایسے دیہات تھے جن میں خدا کا نام لیوا تک نہ تھا اور بہت سے ایسے گاؤں تھے جو خدا کے گھروں سے خالی تھے ان میں مسجدیں تعمیر کرائیں اور پنجگانہ باجماعت نمازی پیدا کئے۔

موضع پنڈولی کا ایک دیہاتی ایک مشہور بے نمازی تھا اور جس نے مسجد میں اپنے بل گھسنے پر ملاجی سے کہا تھا کہ ملاجی یہ سسر ایل بڑا باؤلا ہے جو مسجد میں گھس آیا بھلا تو نے میں بھی اپنی مسجد میں دیکھا ہے۔ وہ الٹا اور اٹھ دیہاتی اگر کسی کے قبضہ میں آیا تو آپ کے چھکٹو کی

تعلیم کے آگے۔ اور ایسا پابند صوم و صلوٰۃ ہوا کہ مسجد کا ہو گیا مرنے مرنے مر گیا
لیکن مسجد کی دو وقتی جھار و پنج وقتی اذان اور نماز نہ چھوڑی۔ لوگ اس کو
”باؤ لابل“ کہہ کر چھیڑتے تھے اور وہ یہ سن کر نہ ہٹا ہوا مسجد میں گھس جاتا تھا۔
ایک دوسرے تاجرانہ ذہنیت والے دیہاتی سے آپ کا واسطہ پڑا
جن کے بارے میں مشہور تھا کہ کسی دن آپ نے نماز پڑھ لی تھی۔ رمضان کا
مہینہ تھا روزہ بھی رکھ لیا تھا۔ قضاہ عند اللہ اسی دن ان کی بھینس کی کٹری مرنے
تب بیٹھے نے اطلاع دی تو بولے۔

لے رہے ہم ہی رُجہ رکھیں اور نماز پڑھیں اور ہماری کٹری ماری
یہ کہہ کر روزہ میں گئے کی پوری منہ میں لے کر چوس لی۔ اور بولے لے پیرا
رُجہ رہا اور سام کو مجھے نماز پڑھواؤں گا۔

چنانچہ جب یہ ذات شریف آپ کی صحبت میں کچھ دن رہے تو نماز پڑھنے
کی جگہ میں آئے۔ اپنی غلطی پر نادم ہوئے۔ توبہ استغفار کی۔ حج کو گئے۔ حاجی
کہلائے اور گاؤں میں بہت سی بیوہ عورتوں کی شادی اپنے خیرج پر کرائی اور
گاؤں میں ایک شاندار کنواں بھی کھدوایا۔ آپ کو دیہاتی اپنی زبان میں بھولی
لٹھ کہتے تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ پہلے گاؤں کے چودھری کو نمازی بتاتے تھے
چون و چرا کرنے پر گوشمالی اور ڈانٹ ڈپٹ سے بھی باز نہ رہتے تھے۔

آپ کو بارہا اتفاق ہوا کہ دیہاتیوں کو نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں لے
گئے۔ صفوں میں کھڑا کیا۔ جماعت ہوئی۔ دوران نماز میں کوئی دیہاتی جماعت
سے علیحدہ ہو کر جھگٹا تو آپ بھی اسے پیچھے بھاگتے پکڑ لاتے اور جماعت میں شامل کر دیتے۔

پیری مریدی | آپ کے مریدوں کی ہندوستان میں تقریباً بیس ہزار کی تعداد تھی جن میں کثرت سے اوجین، اندور، رانچی، حیدر آباد سندھ، بلسکرا، بہار دی باغ، اٹلی ضلع رانچی، کشن گڑھ، اجیر، ناگپور، دہر دون، سہارنپور، رڈ کی وغیرہ کے باشندے تھے۔

آپ کے ممالک اسلامیہ میں بھی کثرت سے مرید تھے۔
 علی الخصوص ان مریدوں میں کثرت سے علماء کا طبقہ تھا مثلاً مولانا
 سوبی محمد سعید تگہ مولوی، مولانا شیخ ابوالخیر نائب مدرس مکتب اسلامیہ مولانا
 سعید محمد نذر الدین آفندی گیلانی صاحب سجادہ حاحہ شریف۔ مولانا الحاج
 محمود ہاشمی اچلی۔ مولانا ادیب آفندی گیلانی۔ مولانا شیخ محمد امین آفندی
 دمشق وغیرہ وغیرہ۔

آپ اپنے ارادہ کے مضبوط اور حق بات کہنے میں بیباک تھے ظالم
 کے سامنے اس نے ظلم کو رکھنے میں کسی قسم کی کوئی خجاک محسوس نہ کرتے تھے کھٹن
 سے کھٹن بات کو بلا پریشانی کے طے کر لیتے تھے۔ آپ نے ۱۸۸۸ء میں ہری پٹری
 ہردوار پر جہاں اب کسی مسلمان کا پر مارنا اعمال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے وہاں
 آپ نے اپنا لیکچر دھڑکتے سے دیا۔

حکومت کی نظر عنایت | آپ کا وہابی جماعت یعنی دیوبندی
 حضرات نے تعلق تھا جن کے بارے
 میں مشہور تھا کہ سرحد پران کی ایک پارٹی ہے اور ان کو علاوہ دیگر ممالک
 کے ہندوستان سے بھی مدد ملتی ہے۔ اس پارٹی کے سرگرم معاون حضرت

مولانا رشید احمد گنگوئی اور حضرت مولانا قاسم العلوم اور روح روال حضرت حاجی امداد اللہ شاہ ہاجر کی خیال کئے جاتے تھے۔

اسی طرح مولانا رحمت اللہ مرحوم ہاجر کی بھی حکومت کی نظر میں کھٹکتے تھے جس کی بنا پر آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہی سببات تھے جس نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوئی کو خدیوے زمانہ میں چھ مہینے والے حالات میں مقید کر لیا۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ شاہ مولانا قاسم العلوم کے دائرہ گرفتاری جاری ہوئے جس کے بعد حضرت حاجی صاحب قبلہ بھی ہندوستان سے مراجعت فرما گئے۔

آپ کا ان حضرات سے قریبی اور نزدیکی تعلق تھا۔ بھلا حکومت کی نظروں میں کیوں نہ چڑھتے اور کھٹکتے۔ حکومت نے سخت نگرانی کی سی، آئی ڈی پی پی پی پی کی۔ عجب عجب انداز اختیار کئے کبھی مریدیوں میں اور کبھی عالم کی شان میں گھر پر مہمان رہی۔

۱۹۳۷ء میں ایک صاحب بہار کے مرید ہونے کے ناتے سے ٹاٹ کے کپڑے پہنے، پرہیز گاروں کی شکل بنائے مشعل و اذکار کے علوی بنے ہوئے گھر پر آئے مہمان ہوئے اور آپ کے گھر کے چھوٹے کمرہ پر پڑے آخر دنوں میں اتفاقاً طور پر ان ٹاٹ پوش مریدی کی عدم موجودگی میں ان کی موت کا چھوٹے کمرہ میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ان کے بستر کے نیچے ایک ڈائری کا کوئہ نظر آیا۔ اٹھا یا۔ کھولا دیکھا تو دروازہ کے والد مرحوم کے قول و افعال قبلہ بندہ کئے ہوئے تھے اور جو لوگ والد صاحب کے ملاقاتی تھے ان کے

نام بھی درج تھے اور ایک صفحہ پر یہ خاص ریمارک لکھا ہوا تھا۔
 ”مولانا بہت گہرے اور سازشی ہیں“

یہ ڈائری میں نے اپنے قبضہ میں کی والد کو دکھائی تو آپ منہ دے
 اور کہا رکھ دو۔ جو کام اس کا ہے کرنے دو۔ میں نے ارشاد کے مطابق وہ
 ڈائری وہیں بستر کے نیچے رکھ دی۔ وہ حضرت کچھ دن اور رہے اور پھر
 چلے گئے ان کا اس کے بعد کوئی پتہ نہ لگا۔

اسی طرح ایک دوسرے صاحب دراز لیش اور چوب زبان نگال
 آئے مناظرین کر آپ کے ہمراہ رہے ان کا بھانڈا آپ کے ایک مرید الیکٹر
 پولیس نگال نے پھوڑا۔ وہ جو آپ سے ملاقات کرنے آئے تو ان حضرت
 بنگالی کو دیکھ کر چوکنے ہوئے اور غلجھڑکی میں آپ کو اسی راز سے آگاہ کیا
 بعض مفسدوں نے یہ شکایت کی کہ آپ کا حکومت ترکیہ سے مولانا
 رحمت اللہ کی معرفت سانباز ہے۔ اور آپ ہندوستان میں حکومت ترکیہ
 کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

اس شکایت کا نتیجہ | **مقدمات میں پھلنے کی کوشش**
 یہ نکلا کہ آپ کے

خلافت دہرہ دون میں تقریر کرنے کے سلسلہ میں مقدمہ چلانے کی تجویز
 ہوئی۔ تفتیش دہلی حکام نے کی معززین شہر کی کوششوں سے یہ معاملہ
 رفع دفع ہو گیا اور مقدمہ پولیس نے واپس لے لیا۔

اسی طرح مصر کے ایک جہادی واعظ پر کچھ لیس نہ چلا تو دفعہ ۱۰۹ میں

کارروائی کرنے کے لئے ہندوستان میں تفتیش کے لئے کاغذات روانہ کئے۔ دہلی پولیس کے ہاتھ میں جب یہ کیس آیا تو معلومات بہم پہنچائی اور مستند حضرات کے بیانات قلمبند کئے گئے۔ جن میں حکیم عبدالحمید خان صاحب بھی شامل تھے۔ تب دہلی پولیس نے یہ رپورٹ مرتب کی کہ۔

مولانا پر ۱۰۹ کا مقدمہ کسی صورت میں نہیں چل سکتا۔ مولانا ایک خاندانی آدمی ہیں۔ چنانچہ یہ مقدمہ بھی نذر قائل ہوا اور مفسدوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

آپ تیز طبع، ذہین اور انتہائی خوددار تھے۔ سپاہیانہ رندانہ اور آزادانہ وضع رکھتے تھے۔ عالمانہ شان بھی قائم تھی اور تصوفانہ رنگ بھی جما ہوا تھا۔ قد و قامت میں بلند و بالا۔ رنگ گورا آنکھیں بڑی بڑی لگائیں تیز اور چہرہ بھاری بھرکم اور کتابی تھا۔ اور بقول خواجہ حسن نظامی :-

ان کی خوش بیانی اور وعظ گوئی کی دھوم تھی وہ جسامت کے اعتبار سے مولانا شوکت علی سے کم نہ تھے۔ آواز بھی گرج دار تھی اور طرزِ بیان بھی فوجی تھا جس طرح ایک فوجی افسر حکم دیتا ہے اسی طرح وہ تقریر کیا کرتے تھے۔ مٹلوی (آخر میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ بڑھاپے نے عاجز کر دیا تھا پاؤں لنگ کرنے لگا تھا۔ بینائی میں بھی معمولی سا فرق آگیا تھا بھنے پرٹھنے میں دقت ہوتی تھی مگر حافظہ اس قدر تیز تھا کہ ڈھائی تین ہزار کے کتب خانے میں سے کوئی کتاب آپ کے سامنے نکال کر رکھ دیجئے یہ تک بتا دیتے

تھے کہ فلاں صفحہ پر میں نے اس مضمون کا حاشیہ لکھا ہے۔

انتقال

انتقال سے ڈیڑھ سال پہلے لقوہ کا حملہ ہو گیا تھا جس میں کا نصف حصہ اس کی زد میں آیا۔ علاج معالجہ ہونے پر افاقہ تو ہوا اور تندرستی کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔ لیکن وہ سب تفتی تھے۔ حکیم نابینا صاحب حکیم محمد احمد صاحب حکیم ظفر صاحب اور حکیم عبدالغنی کلکتہ والوں سے خاص تعلقات تھے وہ ادویات دیتے رہتے تھے مگر وہ بے سود تھیں پھر لقوہ ابھرا ہوتے ہوئے تمام جسم پر چھا گیا اعضا سنے جواب دے دیا اور آخر ۷ برس کی عمر میں ۲۸ جنوری ۱۳۳۵ء مطابق ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ روز منگل بوقت ۸ بجے شب گلی بدایاں محلہ چوڑیوالان والے مکان میں جب کہ شاہ جارج عظیم کی وفات پر تمام ہندوستان میں ہڑتال تھی۔ آپ نے جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

رسم تدفین میں مفتی محمد کفایت اللہ، ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ ملیہ حکیم محمد احمد خاں صاحب، حکیم ظفر احمد خاں صاحب، مولانا محمد اسلم صاحب پیراج پوری مولانا عبدالرحمن صاحب پروفیسر مشن کالج دہلی، نواب سراج الدین احمد خاں سائل، وحید الدین صاحب بیخود دہلوی۔ مولانا احمد سعید صاحب پیسری عبد الصمد صاحب و دیگر معززین شہر اور علماء مشائخن و اہالیان دہلی نے حصہ لیا۔

تصانیف و کتب خانہ | انتقال کے وقت ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی جائداد
عبرانی، یونانی، پشتو، ترکی، انگریزی، عربی، فارسی، ہندی، اردو کی ڈھائی تین ہزار قلمی و مطبوعہ کتابوں کا ذخیرہ اور گیلہ

حسب ذیل تفصیلات چھوڑیں۔

۱) داغ البہتان جلد اول دوم (۲) بروق لامعہ بجاہت سید احمد کاش
 ۲) استیصال دین عیسوی بمقابلہ دین محمدی (۴) مناظرہ دہلی (۵) مناظرہ
 کالا (۶) مناظرہ حیدر آباد دکن (۷) مناظرہ پونہ (۸) مناظرہ غازی پور۔
 اس میں کئی مناظرے انگریزی زبان میں طبع ہو چکے ہیں
 پہلے حج کا سفر نامہ بھی بالتفصیل لکھا ہوا اعلیٰ
 موجود ہے۔ اب تک طبع نہ ہو سکا۔ طبع کرانے کی
 کوششیں جاری ہیں اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔

امداد صابری

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸	مستشرقین یورپ کے غلط رویے کا ایک	۴۱	قدیم ہندوستان کی تاریخ جرم سٹرا
۵۰	عہدِ قدیم کا جیل خانہ		عہدِ برہمنی
۵۰	پہاڑ کی کھوکھری طرح کا جیل	۴۱	منو کی تقسیم ذات
	عہدِ چہاراجہ نمند	۴۲	انسانی طبقوں کے میل پر سٹرا
۵۱	کنوئیں میں قید کرنا	۴۳	منو شاستر
	عہدِ چندرگپت موریہ	۴۴	مقدمہ کی فیس
۵۱	چنگی لادنا نہ کرنے پر پھانسی	۴۴	جج کے فرائض
	دورِ اشوک	۴۵	قانونِ فوجداری
۵۲	موت کی سزا نسوخت	۴۵	نہری گناہوں کی سزا زندہ جلانا
	دورِ چندرگپت بکر و اجیت	۴۵	نالی اور نانہ کی سزا
۵۳	باغیوں کو قطعِ ہد کی سزا	۴۶	قتل کی سزا
	عہدِ چہاراجہ ہرش	۴۶	جرمِ راجہ کو سزا
۵۳	اخصائے قطعِ ہد کا دوبارہ نفاذ	۴۶	ڈاکہ زنی کی سزا موت
	عہدِ راجہ چندرگپت	۴۷	قانونِ دیوانی
۵۳	برہمن قانونِ کھلے آہنی ڈھانچہ	۴۷	شہادت
	عہدِ محمود غزنوی	۴۸	قرض خواہوں پر تشدد کا جواز

۶۱	قیدخانہ گوالیار کے عافیوں کی تعداد	۵۴	قلم میں قید کرنا
	عہد خسرو خان	۵۴	عجیب و غریب قیدخانہ
۶۲	گائے کو ذبح کرنے کی سزا		عہد شہاب الدین محمد غوری
	عہد شمس الدین التمش	۵۷	شرابیوں کی سزا حجرے میں بند کرنا
۶۲	مسلمان بادشاہوں کا جیل خانہ		عہد عیبات الدین بلبن
	عہد محمد شاہ تغلق	۵۷	کودروں کی سزا
۶۳	جیل کی اولاد		عہد جلال الدین فیروز
۶۳	چوہے کے خانوں کا قیدخانہ	۵۸	پھوسوں کی سزا بھید دینا
۶۳	شرابیوں کو تہ خانہ میں بند کرنا		عہد علاؤ الدین خلجی
۶۴	قیدیوں کی دیکھ بھال	۵۸	دودھ پیتے بچوں کا قتل
۶۴	قیدیوں کی چھٹی	۵۹	شرابیوں کیلئے کنوئیں کا قیدخانہ
۶۴	قیدیوں سے بھیک منگوانا	۵۹	مقررہ نرخ کو کم بچے پر لگانے کی سزا
۶۴	درے کی سزا	۵۹	رندوں کی فیس کا تعذر
۶۵	قیدیوں کے چالان کا طریقہ	۶۰	انسانی کھوپڑیوں کا برج
۶۵	انصاف کا دور دورہ	۶۱	علاء الدین کا پہلا جیل خانہ
۶۶	بادشاہ بطور قاتل		عہد شہاب الدین
۶۶	بادشاہ کے بیٹیں لگیں	۶۱	گوالیار کے قلعہ کے قیدی
۶۸	نماز نہ پڑھنے پر سزا		عہد قطب الدین
۶۸	مقررہ سزائی کی ڈھلسی فوج	۶۱	سزائے قیدیوں کی رہائی

۷۸	عہد علاؤ الدین بہمنی	عام سخاوت
۷۹	سنگین مجرموں کی رہائی	قتل گاہ
۷۹	عہد محمد شاہ بہمنی	غلاب دینے کے طریقے
۸۰	۳۰ ہزار چوروں کا قتل	ہاتھیوں سے مروانیکا طریقہ
۸۰	انسانوں کو آرے سے چروانا	دانتوں سے کاٹنے والا انسان
۸۱	عہد محمود شاہ بہمنی	زندہ کی کھال کھینچنا
۸۱	محمود شاہ کا عید خانہ	اندھے اور لوٹے کو سزا
۸۱	سکوی ہار کے لالچ میں تکبیر پھوڑنا	ڈائن کی سزا جلانا
۸۱	عہد سلطان نعمیث الدین	ڈائن کی شناخت کا طریقہ
۸۱	عمارت کے داخل پر بندے سے مستثنیٰ	طریقہ تشہیر
۸۱	عہد سلطان علاؤ الدین	قرضہ وصول کرنے کا طریقہ
۸۱	بھکاریوں کی سزا	عہد میرداد
۸۲	عہد سلطان زین العابدین	سستی ہونا بلا بادشاہ کی اجازت نہ تھا
۸۲	چوروں سے عمارت تعمیر کرانا	چور کی سزا موت
۸۲	شرابیوں کے گلے میں پگلا ہوا سیڑھا	لکڑی کا جیل خانہ
۸۲	عہد ہمایوں بادشاہ بہمنی	زنا کی سزا زنا کرانا
۸۲	سات ہزار قیدیوں کا جیل خانہ	عہد فیروز شاہ تغلق
۸۳	کوئٹا کا عضو کاٹ کر اسکو کھلانا	وحشت ناک سزائوں کی فہرست
۸۳	انسانی لاشوں کو جوش دینا	فتاوے تانہ خانہ

۸۹	سخت سزاؤں کا افساد		عہد عادل شاہ
۹۰	قطع و برید اعضا کی سزا	۸۲	پادریوں کا زندہ جلانا
۹۰	میر عدل - اور قاضی	۸۵	عادل شاہی سزائیں
۹۰	کو تو وال		عہد سکندر لودھی
۹۱	مسروقہ مل کا ذمہ دار کو تو وال	۸۶	سکندر لودھی کا قید خانہ
۹۱	نملاب کی خرید و فروخت ممنوع		عہد سلطان غیاث الدین
۹۱	ملنگوں کا شہر بدر کرنا	۸۶	قاضی اور محکمہ عہدہ پر عہدہ نہ لگانا
۹۱	قصاب سے میل کرنے پر پابندی		عہد سلطان بہادر
۹۲	جان نود بخ کرنے پر سزا	۸۷	قاتلوں کو نوپ سے اڑانا
۹۲	جلاد سے قطع تعلق		عہد ہمایوں بادشاہ
۹۲	خفتہ پر پابندی	۸۷	ہمایوں کا جیل خانہ
۹۲	دو طحاویٹھن کا کو تو والی میں دیکھنا	۸۷	زہر کے حوض کا جیل خانہ
۹۳	بد چلن عورتیں		عہد شیر شاہ
۹۳	شیطان پورہ	۸۷	پر امن عہد
۹۳	صدق و کذب کا امتحان		عہد سلیم شاہ
۹۴	حلف اور قسم کے آٹھ طریقے	۸۸	جیل خانہ قلعہ گوالیار
۹۴	نزاع حدود پر حلف کا طریقہ	۸۸	قید کو گھر میں بند کر کے جلانا
۹۶	کاسوئی عدالت کا طریقہ		دور اکبر
۹۶	طریقہ ضمانت	۸۸	اکبر کا عدل

۱۰۶	قلعہ گوالیار کا جیل خانہ	۹۷	طریقہ عدالت میں تبدیلی
۱۰۶	قلعہ رنجتھور کا قید خانہ	۹۷	رہیم سستی پر بندش
۱۰۶	قلعہ لاہور کا قید خانہ	۹۷	ستی کے بارے میں اعتقاد
	دورِ شاہجہاں	۹۸	ستی کے بارے میں منہ کا حکم
۱۰۷	ظالم حکم کی آستین میں سانپ چھوڑنا	۹۸	ستی ہونے کا طریقہ
۱۰۹	فقیر و رعایا پر ریادتی کا السداد	۹۹	بیوہ کا نکاح ثانی
	دورِ عالمگیر	۹۹	زندہوں کی شادی کی ممانعت
۱۱۰	جسمانی سزائوں کا خاتمہ	۹۹	جگر خوار ساحروں کا فتنہ
۱۱۱	چوری کے الزام میں پتہ نکالنا	۱۰۰	مغلوں کا جیل خانہ
۱۱۱	خیانت کی سزا قتل	۱۰۱	قلعہ بیانہ
۱۱۲	عدل و انصاف	۱۰۲	دیوانی مجرموں کا قید خانہ
۱۱۳	پسر عالمگیر پر قتل کا الزام		دورِ شاہجہانگیر
۱۱۳	اپنے حملہ آور کو معافی	۱۰۲	ناک، کان کا ٹانہ بند
۱۱۳	بادشاہ کے خلاف دادرسی	۱۰۳	انصاف عام
۱۱۵	محکمہ احتساب	۱۰۴	مردہ خاوند کے ساتھ زندہ دگر دھڑنا
۱۱۵	فتاوے عالمگیری	۱۰۴	بوڑھوں کا انواع
۱۱۶	قاضی کا عہدہ	۱۰۵	نوعمر بچوں کی خرید و فروخت بند
۱۱۶	شہادت	۱۰۵	تبنا کو پینے کی ممانعت
۱۱۷	نادہند کی سزا قید	۱۰۵	تبنا کو پینے پر ہونہ کا ٹٹا

۱۲۴	مفسد کی سزا
۱۳۵	تقریر چھٹی بازی
۱۲۵	خلق لگانے کی سزا
۱۲۵	اغلام کی سزا
۱۲۵	بند رہے جماعت پر عورت کو سزا
۱۲۵	چارپاگیا ساتھ جماع کرنے پر سزا
۱۲۵	بتر سے موت ہونے کی سزا
۲۵	پانی سے ہلاک کرنے کی سزا
۱۲۵	بلند مقام سے گرانے کی سزا
۱۲۶	عورت کی سرگاہ کاٹنے کی سزا
۱۲۶	ساحر مرد زندہ دہکے کرنے کی سزا
۱۲۶	بھڑکار کاٹنے کی سزا
۱۲۶	بھارت دور کرنے کی سزا
۱۲۶	ناک وغیرہ کاٹنے کی سزا
۱۲۷	اسقاطِ حمل کی سزا
۱۲۷	اہلِ محلہ کو قتل کے الزام پر سزا
۱۲۸	قتل جانور کی سزا
۱۲۸	دیت
۱۲۸	تقریر کے طریقے

۱۱۷	پنچایت
۱۱۸	شادی شدہ زانی کی سنگساری
۱۱۸	غیر شادی شدہ زانی کو سزائے تازیانہ
۱۱۹	حد سے بریت کی صورتیں
۱۲۰	چور کا ہاتھ کاٹنا
۱۲۰	ہاتھ کاٹنے سے مستثنیٰ
۱۲۰	ہاتھ کاٹنے کا طریقہ
۱۲۱	سہرنی کی سزا
۱۲۱	باغیوں کو سزا
۱۲۱	قتل کا قصاص
۱۲۲	قتل سے مستثنیٰ ہونیکے اشکال
۱۲۲	خود کشی کی سزا
۱۲۳	زہر کھلانے کی سزا
۱۲۳	محبوس کر کے مارنے کی سزا
۱۲۴	درندوں سے مروانے کی سزا
۱۲۴	غرق کر کے مارنے کی سزا
۱۲۴	مردہ عورت سے زنا کی سزا
۱۲۴	شرکاء کے علاوہ دو مرتبہ زنا کرنا کی سزا
۱۲۴	گلا کھوٹنے والے کی سزا

۱۳۵	انگریزوں کا قید خانہ	۱۳۸	سولی پر چڑھانے کا طریقہ
۱۳۶	فراخ صحن قید خانہ	۱۳۸	بہتان دھمائی کی تعزیر
۱۳۶	کپڑے دھوبی دھونا کھانا	۱۳۹	حد شراب خوری
۱۳۶	بیاروں کو دوایاں دیکھائی تھیں	۱۳۹	مسلم منکوحہ مرتد کی سزا
۱۳۷	رہائی کی خوشخبری	۱۳۰	ہندو قیدی محل میں بھوکے تھے تو
۱۳۷	قید سریرنگا پٹم کی یاد	۱۳۰	الکبیری قید خانہ
۱۳۷	پالیکاروں کے قلعے میں قید	۱۳۰	شاہجہاں کی قید میں حالت
۱۳۸	انسان کو بطور طوطے کے پانا	۱۳۱	جرم کے مطالبہ داران کا جھگڑنا
	عہدِ رنجیت سنگھ		عہدِ شیواجی
۱۳۸	رنجیت سنگھ کے فیصلہ مقامات کا طریقہ	۱۳۱	شیواجی کا طریقہ انعامات
۱۳۹	مردمہ کی قسم کے طریقے	۱۳۱	لاش نکلو اگر درندوں کو کھلانا
	عہدِ مرہٹہ	۱۳۲	جسم انسانی کو گرم چمپے سے نوچنا
۱۳۹	موشی بارے میں قید کرنا		عہدِ حیدر علی اور ٹیپو سلطان
	ماحصل	۱۳۲	طریقہ عدالت
۱۴۰	قدیم جل خانے	۱۳۲	قسم نہ لی جاتی تھی
	ہندوستان کو انگریزی دور کی تاریخ	۱۳۲	لوہ کی چھینے کی سزا
	جرم و سزا	۱۳۲	کوڑے کی سزا کا اہتمام
۱۴۲	کمپنی کی خود مختاری	۱۳۲	منشیات کا خاتمہ
۱۴۵	رشوت ستانی کا زور	۱۳۵	سلطانی محل کے قید خانے

۱۲۴	مفسد کی سزا	۱۱۷	پنچایت
۱۲۵	تخریر چھٹی بانی	۱۱۸	شادی شدہ زانی کی سنگساری
۱۲۵	حلق لگانے کی سزا	۱۱۸	غیر شادی شدہ زانی کو سزائے تازیانہ
۱۲۵	اعلام کی سزا	۱۱۹	حد سے بریت کی صورتیں
۱۲۵	بند رہے جماعت پر عورت کو سزا	۱۲۰	چور کا ہاتھ کاٹنا
۱۲۵	چاپا کیساتھ جامع کرنے پر سزا	۱۲۰	ہاتھ کاٹنے سے مستثنیٰ
۱۲۵	تیر سے موت ہونے کی سزا	۱۲۰	ہاتھ کاٹنے کا طریقہ
۱۲۵	پانی سے ہلاک کرنے کی سزا	۱۲۱	سہرنی کی سزا
۱۲۵	بلند مقام سے گرانے کی سزا	۱۲۱	باغیوں کو سزا
۱۲۶	عورت کی شرکاء کاٹنے کی سزا	۱۲۱	قتل کا قصاص
۱۲۶	سزا شدہ زندہ دلوں کو گولہ مارنے کی سزا	۱۲۲	قتل سے مستثنیٰ ہونیکے اشکال
۱۲۶	بھاری کاٹنے کی سزا	۱۲۲	خودکشی کی سزا
۱۲۶	بھاری دور کرنے کی سزا	۱۲۳	زہ کھلانے کی سزا
۱۲۶	ناک وغیرہ کاٹنے کی سزا	۱۲۳	محبوس کر کے مارنے کی سزا
۱۲۷	استفادہ عمل کی سزا	۱۲۴	دروندوں سے مروانے کی سزا
۱۲۷	اہل محلہ کو قتل کے الزام پر سزا	۱۲۴	غرق کر کے مارنے کی سزا
۱۲۸	قتل جانور کی سزا	۱۲۴	مردہ عورت سے زانی کی سزا
۱۲۸	دیت	۱۲۴	شرکاء کے علاوہ دیگر مقام پر زانی کی سزا
۱۲۸	تخریر کے طریقے	۱۲۴	گلا کھوٹنے والے کی سزا

۱۳۵	انگریزوں کا قید خانہ	۱۳۸	سولی پر چڑھانے کا طریقہ
۱۳۶	فراز صحن قید خانہ	۱۳۸	بہتان دھالی کی تدویر
۱۳۶	کپڑے دھو بی دھوتا کھٹا	۱۳۹	حد شراب خوری
۱۳۶	سیاروں کو دروایاں دیجاتی تھیں	۱۳۹	مسلم منکو صہ مرتد کی سزا
۱۳۷	رہائی کی خوشخبری	۱۳۰	ہندو قیدی جل میں بھجے کہتے تھے
۱۳۷	قید سریرنگا پٹم کی یاد	۱۳۰	انگریزی قید خانہ
۱۳۷	پالیکاروں کے قلعے میں قید	۱۳۰	شاہجہاں کی قید میں حالت
۱۳۸	انسان کو بطور طوطے کے پانا	۱۳۱	جرم کے مطالبہ داران کا علیحانہ
	عہد رنجیت سنگھ		ہندو شیواجی
۱۳۸	رنجیت سنگھ کے فیصلہ مقدمات کا طریقہ	۱۳۱	شیواجی کا طریقہ انصاف
۱۳۹	مذہم کی قسم کے طریقے	۱۳۱	لاش نکلو اگر درندوں کو کھلانا
	عہد مرہٹہ	۱۳۲	جسم انسانی کو گرم چھپٹے سے نوجنا
۱۳۹	موشی بارٹے میں قید کرنا		ہد جیدر علی اور شیو سلطان
	محصل	۱۳۲	طریقہ عدالت
۱۴۰	قدیم جل خانے	۱۳۲	قسم نہ لی جاتی تھی
	ہندوستان کی انگریزی دور کی تاریخ	۱۳۲	لڑکی چھیننے کی سزا
	جرم و سزا	۱۳۲	کوڑے کی سزا کا اہتمام
۱۴۲	کپنی کی خود مختاری	۱۳۲	منشیات کا خاتمہ
۱۴۵	رشوت ستانی کا زور	۱۳۵	سلطانی محل کے قید خانے

۱۵۸	دھوکہ دہی کی سزا	۱۴۵	عیاشی کا دور دورہ
۱۵۸	مرست حسب وعدہ نہ کرنے پر سزا	۱۴۵	فرز کا شرفاکی حویلی میں گھسنا
۱۵۹	چوری کی سزا	۱۴۶	فرز کا سرورن جائی کو بھگانا
۱۵۹	سرکاری حکم نہ ماننے کی سزا	۱۴۹	قاتل نواب کا لباس
۱۵۹	راہ گیسروں کو چھیننے کی سزا	۱۵۰	کپتی میں پارٹی بازی
۱۵۹	غلط رپورٹ کرنے کی سزا	۱۵۰	مباراجند کا پرتھوہ پھانسی کی سزا
۱۶۰	چور کو تشہیر کی سزا	۱۵۱	جلسازی کے الزام میں پھانسی کی سزا
۱۶۰	چاول کے عمل سے طرم کی گرفتاری	۱۵۲	امرار کو پھانسی دینے کا طریقہ
۱۶۱	جوتہ لگانا قانونی سزا	۱۵۲	ہندوستانی شیر کا غم و استقلال
۱۶۱	مولویوں کے عملیات کا روز	۱۵۳	ہفتہ ۵ اگست کو پھانسی
۱۶۱	سزائے تشہیر کا طریقہ	۱۵۴	حکلی
۱۶۲	سیاسی لیٹروں کا قلع قمع	۱۵۴	آخری ملاقات
۱۶۲	قطع اعضا کی سزا منسوخ	۱۵۵	پھانسی کیلئے پاؤں کا اشارہ
۱۶۲	پنڈاروں کا ہاتھ	۱۵۵	چہرہ پر کپڑا ہندوستانی نے باز دھا
۱۶۴	رسم سنی کی ممانعت	۱۵۶	لاش کی حالت
۱۶۴	جلاد طنی	۱۵۶	طریقہ عدل
۱۶۶	مشاہیر ہند کا لے پانی کے قیدی	۱۵۷	اختیار
۱۶۶	کالے چڑے کی بے عزتی	۱۵۷	بنگال کے پہلے پرنسٹنٹ کی ڈاڑی
۱۶۷	دائع دائم الجبسی	۱۵۸	بھگوڑے ملازم کی سزا

۱۸۱	استقاط محل کی سزا	۱۶۷	قیدیوں کے ساتھ سلوک
۱۸۲	اعضائے جسمانی محدود کر دینا کی سزا	۱۶۹	قیدی عورتیں
۱۸۲	حاشیہ) امریکہ میں قانوناً منع کیا گیا	۱۶۹	شادی کا طریقہ
۱۸۳	خلاف وضع فطری کی سزا	۱۷۰	ذات پات کا خاتمہ
۱۸۳	حاشیہ) تباہی بخ فطری حیوانات	۱۷۰	چیف کمشنر کے اختیارات
۱۸۵	انسان کے انخوا کرنے اور غلام بنائی	۱۷۰	تحریک وہا بیان
۱۸۵	زنا بالجبر کی سزا	۱۷۱	ٹھک اور زبردینے والے
۱۸۶	چوری کی سزا	۱۷۱	ٹھکی کے طریقے
۱۸۷	ڈکیتی کی سزا	۱۷۲	انداد ٹھکی
۱۸۷	جعل سازی کی سزا	۱۷۵	غدر
۱۸۸	دوسروں کی عورت سے جماع کرنے پر سزا	۱۷۶	افسر ہتھیار چلانے اور سازش کی سزا
۱۸۸	توہین کرنے کی سزا	۱۷۶	کار تو س نہ لینے پر سزا
۱۸۸	حاشیہ) نسوانی شہرگاہ کی قفل پٹی	۱۷۷	بغاوت
۱۸۹	حبس بے جا کی سزا	۱۷۷	ظفر شاہ کی گرفتاری
۱۸۹	جھوٹی گواہی کی سزا	۱۷۸	شہزادوں کا قتل اور لاشوں کا شہنا
۱۸۹	سکہ اور اسٹامپ بنانے کی سزا	۱۸۰	قانون فوجداری کا نفاذ
۱۹۰	ندہی دل آزادی کی سزا	۱۸۰	بغاوت کی سزا
۱۹۰	قمار بازی کی سزا	۱۸۱	قتل کی سزا
۱۹۱	بلا لائسنس کے شراب بنانے پر سزا	۱۸۱	ٹھکی کی سزا

۲۱۰	واجد علی شاہ کے کھانے کا سامانہ	۱۹۱	عورتوں کی تجارت کرنے پر سزا
۲۱۰	واجد علی شاہ کی ملاقات افریقہ میں	۱۹۱	کوڑوں کی سزا
۲۱۰	نواب پرچلی کی پابندیاں	۱۹۲	عامہ خلافت کو تکلیف دینے پر سزا
۲۱۱	علاج معالجہ	۱۹۳	جانوروں کے شکار پر پابندی
۲۱۱	جیل کی کوٹھی کی حقیقت	۱۹۴	بلالائیس کے شکار کی سزا
۲۱۱	نواب وزیر علی خاں کی اسیری	۱۹۵	قوانین برطانیہ کا نقص
۲۱۲	۱۸۳۸ء تک جیلوں کی تعداد	۱۹۹	مہنگے انصاف کی مثالیں
۲۱۲	قیدیوں کا عمارتیں بنانا	۲۰۰	موجودہ عدالتوں کی شہادتیں
۲۱۳	محض قید کا آغاز	۲۰۱	قسم کا صحیح طریقہ
۲۱۳	شرکیں بنانا	۲۰۱	نسلی امتیاز کا قانون
۲۱۴	درجہ بندی	۲۰۲	وفاقی عدالتیں
۲۱۴	قیدیوں کی تعلیم کی مخالفت	۲۰۳	وفاقی عدالت کے ججوں کے شرائط
۲۱۵	خودکشی کی قیمت سکوں کی شکل میں	۲۰۴	اختیارات عدالت
۲۱۵	جیل کی غلط بناوٹ	۲۰۵	وفاقی عدالت کی اپیل
۲۱۶	ہندوستان کی جلیں انگریزوں کی جلیوں سے بہتر	۲۰۶	برطانوی ہند کی عدالتیں
۲۱۷	جیل کا دور موٹ	۲۰۷	ججوں کا تقرر
۲۱۸	جیل ایکٹ	۲۰۸	مقدمات کا تبادلہ
۲۱۹	جلا وطنی پر نظر ثانی	۲۰۹	ڈسٹرکٹ جج
۲۱۹	جیلوں کا دور ترقی	۲۱۰	آزیری مجسٹریٹ
۲۲۰	ہندوستان کی جیلوں کا موجودہ نظام	۲۱۱	ہندوستان میں جیلوں کا آغاز
۲۲۱	موجودہ جیلوں کا مقصد	۲۱۲	واجد علی شاہ قید خانہ میں
		۲۱۳	واجد علی شاہ کے ہمراہی قیدی

مدِ علمِ تالیف

عہدِ قدیم میں مجرم کے قید میں جانے کے بعد اس کے لواحقین و متعلقین اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ اس کو اپنے ذہن سے بالکل بھلا دیتے تھے جیل میں اس پر کیا گندتی ہے اس سے کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا بلکہ بلایک کی طرح اس سے نفرت کی جاتی تھی اور ہر فرد اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔

لیکن اب وہ دور نہیں رہا۔ زمانہ ترقی کر چکا ہے۔ عوام میں بیداری پھیل چکی ہے۔ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے جرم کی اصلیت معلوم کرنا اور قید کے مفہوم کو سمجھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ جیل کے نظام کا طریقہ اور اس کا مقصد سمجھ میں آجائے۔

جرم کسی دریا مقام قانون کی خلاف حرکت کو جرم کہتے ہیں۔ قانون خواہ وہ **جرم** ان پڑھ قبیلوں کی رہیں ہوں یا مذہب نسلوں کی مرتب کردہ تدابیر ہوں ہر ایک اس کام کو روکتے ہیں جو سوسائٹی کے مفاد کے منافی ہو۔ قانون سازوں کا بھی قانون بنانے سے یہی مقصد ہوتا ہے۔ انسان چونکہ غلطیوں کا پتلا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی قانون ناجائز بھی بن سکتا ہے۔

سوسائٹی کے مفاد کے خلاف کام کرنا جرم ہے۔ اس کو روکنے کے لئے سزائیں تجویز ہوتیں۔ بعض جرائم انسان اپنے مفاد کے خلاف بھی کرتا ہے۔ لیکن سوسائٹی صرف ان جرموں پر تادیب کرتی ہے جس کا اثر سوسائٹی پر مضر پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں جو مجرم شخص انفرادی شکل میں نہیں ہو سکتا۔ سو سائٹی کی عدم موجودگی میں مجرم کا احتمال ناممکن ہے۔ چنانچہ ایک مشہور انگریز مصنف مریکس نے Mersey کا بکھتا ہوا

رکشی آدمی کو صحرا یا غیر آباد جزیرے میں اکیلا چھوڑ دیا جائے اور اور تمام نامناسب حالات پیدا کر دئے جائیں تب بھی اُس کے جرم کرنے کا امکان پیدا نہیں ہو سکتا۔ نہ وہ چوری کر سکتا ہے نہ دھوکہ دے سکتا ہے۔ نہ قتل و غارتگری زنا اور ڈاکے مارنے کا مرتکب ہو سکتا ہے نہ بھیک مانگ سکتا ہے اور نہ جیب کتر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایسی زندگی گزار رہا ہے جہاں جو مجرم کا دخل نہیں وہ جب تک وہاں ہے جو چاہے کرے جہاں چاہے جائے اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

لیکن وہی آدمی جب اس بیابانی زندگی کو چھوڑ کر سو سائٹی میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنی شخصی آزادی کے ہر دائرہ کو محدود پاتا ہے اور وہ فعل جو وہ صحرا میں کرتا تھا اس کو مجرم پاتا ہے۔ اس کے سبب سو سائٹی کی حفاظت ہے۔ اگر ہر شخص اپنی خواہشات کے مطابق بغیر پابندی کے چلتا رہے تو سو سائٹی پاش پاش ہو جائے اور کوئی بھی ضابطہ قائم نہ رہ سکے۔

(Crime and Insanity ch. 1.)

سو سائٹی کے مفاد پر انسان کی شخصی آزادی کو قربان کر دینے سے خود غرضی اور خود پرستی اور خود نمائی کے خیالات ختم ہو جاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ انسان

اپنی آزادی کو محدود دیتا ہے بلکہ وہ اس سے زیادہ قربانی کرتے کے قابل ہو جاتا ہے اس لئے کہ سوسائٹی کے مفاد کا یہ تقاضا ہے کہ جماعت کا ہر فرد اس کو اپنی پوری مدد دے۔ بصورت دیگر اس کی مدد سے انکار کرنا جرم کہلایا جاسکتا ہے اسی طرح ایک سوسائٹی کو ایک خاندان سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جسکی حفاظت کے لئے رسوم اور قوانین بنائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی فرد ان قوانین کے خلاف عمل کرتا ہے تو وہ مجرم کہلاتا ہے۔ شخصی خاندانی اور اس سے بڑھ کر جماعتی زندگی کے ارتقائی منازل میں بہت سی حرکات جرم بن گئیں اور بہت سی باتیں جو ایک درجہ پر جرم تھیں اب دوسرے درجہ پر اگر جرم نہیں رہیں۔

تہذیب کے ترقی کرنے سے علوات اور خیالات کی تفریق نے قانون اور جرم کی تعریف میں بہت کچھ تبدیلی پیدا کر دی۔ یہ بات ہندوستان اور دوسرے ممالک پر یکساں طور سے منطبق ہوتی ہے۔

سزائے قید کی بنیاد انتقام لینے کا جذبہ اور مجرم سے محفوظ ہونے کا خیال تھا۔ چنانچہ عہد قدیم میں شکست خوردہ گروہ یا مقتول کی پارٹی کی طرف سے انتقام لیا جاتا تھا۔ اور اب تک بہت سے علاقوں میں انھوں کے قصاص لینے کا عام رواج ہے۔ لیکن تہذیب کی ترقی کے ساتھ اس خیال میں تبدیلی ہوئی اور ذاتی انتقام کو برا سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ بقول لاطینی مصنف سزائے تین مقصد قرار پائے۔

(۱) مجرم کی اصلاح (۲) سوسائٹی کے بقایا ممبران اس سے عبرت حاصل کریں (۳) مجرم کو سوسائٹی سے علیحدہ رکھنا۔

مگر کیا مجرم کو نرا دہینے اور اس کو کچھ عرصہ کے لئے قید کر دینے سے سوسائٹی کی بھلائی ہو جاتی ہے۔ جرم کا اعادہ اور مجرمانہ ذہنیت کا برضلافح طور پر ثابت کرتا ہے کہ محض ہرقاتی کو داپر پڑھانے اور چود کو قید میں بھیجے ہی قوم کی بھلائی ممکن نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی مستقل کے لئے جرموں سے بالکل محفوظ ہو گئی۔

جرائم کا روز بروز ترقی کرنا کسی اور ہی بات کی علامت ظاہر کرتا ہے اُس کے نزدیک تہذیب و تمدن کی ترقی کے باوجود جرموں میں کوئی کمی نہیں ہوئی نیز نفسی بخش حالات موجودہ ترقی یافتہ روشن خیال طبقہ کے لئے باعث افتخار نہیں جب کہ صنعت و حرفت اور تعلیم وغیرہ میں انسان نے معراج کمال حاصل کر لیا ہو اور اس وقت موجودہ نظام جرائم کے انسداد سے قاصر رہا ہو۔

کیا ہم جرموں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں؟ کس طرح؟ یہ سوال ہیں جن کے حل کا انتظار ہے۔ جرم کے انسداد کا مکمل حل انتقامی طور پر پھانسی یا سزا دینا۔۔۔۔۔ نہیں بلکہ جیل میں اور جیل کے باہر سوسائٹی کے مجرموں پر اخلاقی اثرات ڈالنے سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ مجرمانہ ذہنیت کا کم و بیش دار و مدار وقت ماحول اقتصادی حالات پر مبنی ہوتا ہے

اب تک کوئی منظم کوشش جیل کے حالات کا مطالعہ کرنے کی نہیں کی گئی اور نہ یہ معلوم کیا گیا کہ انفرادی طور پر جرموں کے اسباب و علل کیا ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں کوشش کی جائے تو دنیا کا بخر بہ جرائم کے اسباب کو مٹانے میں کافی مدد دے سکتا ہے۔

چنانچہ پہلی جلد کا دھوا حصہ اگست ۱۹۲۲ء میں موجودہ جلیوں کا قیام و تمام
ولباس، مشقین، سزائیں، قیدیوں کی شرارتیں، دہلی جیل کے کارخانے میں
قلعہ بند ہوا۔ اور نومبر ۱۹۲۲ء کی مدت میں اس کا آخری حصہ ”جیل کی
عمارتیں، نابالغ قیدی، اتفاقہ اور عادی قیدی، قیدی عورتیں، علاج و معالجہ
رہائی کے بعد سلوک“ کی تحقیقات انبالہ جیل میں مکمل ہوئی۔

دسمبر ۱۹۲۲ء کے زمانہ میں علاقہ کی نظر بندی کی حالت میں جلد اول کا
پہلا حصہ ہندوستان کی عہد قدیم اور انگریزی دور کی تاریخ تیار ہوئی۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ دوسری جلد کی کس صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچے گی۔

تاریخ جرم و سزا جلد اول کی تیاری میں جن کتابوں کا مطالعہ
کیا گیا ہے اور جن کے حوالے و اقتباسات دے گئے

کتب ماخوذ

ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

کتب انگریزی

- | | |
|--|--------------------------------------|
| (۱) انسائیکلو پیڈیا مصنفیات | (۲) سٹورٹس آف بھٹری آف ورڈ |
| (۳) ریسنز اینڈ ریکورڈنگن محققہ مسٹر سلیم | (۴) امپریل گزٹیر آف انڈیا جلد دوم |
| (۵) تاریخ رولرس آف انڈیا مصنف جی ڈی اسول | (۶) تاریخ میسورہ از لوئیس رئیس |
| (۷) میمورس آف دی لیٹ وار مصنف جی مری | (۸) تاریخ کرنل ولکس |
| (۹) سفر نامہ ڈاکٹر برنیر | (۱۰) سفر نامہ مارکو پولو |
| (۱۱) تاریخ الفنس مصنف ڈاکٹر جلی کریری | (۱۲) سوانح عمری عالمگیر مصنف لین پول |
| (۱۳) تاریخ اورنگ زیب پروفیسر جادونا تھ | (۱۴) تاریخ ہنٹر |

- (۱۵) تاریخ ہندوستانی - ایچ بی رائنس
(۱۷) ڈائری میجر پرائس
(۱۸) ڈائری سٹرلینڈ پرنسٹن پولیسنگل
(۱۹) ایکٹ پریزنس
(۲۰) آل انڈیا سوسائٹی رپورٹ ۱۹۲۴ء
(۲۱) جیل مینوئل یوپی
(۲۲) جیل ایکٹ ۱۸۹۴ء
(۲۳) یوپی بورڈل ایکٹ ۱۹۳۸ء
(۲۴) پولیس اینڈ کرائم ان انڈیا
(۱۶) انڈین پریزنس مصنفہ ڈی بی جے پوول
(۱۸) رپورٹ ڈائرکٹر ان ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۷۹۶ء
(۲۰) امپری ڈسٹریکٹ مصنفہ سٹراڈ انڈیا پریزنس
(۲۲) دی موڈرن پریزنس
(۲۳) رپورٹ انتظامیہ جیلہائے صوبہ یوپی ۱۹۲۲ء
(۲۴) جیل مینوئل پنجاب
(۲۸) جیل ایکٹ ۱۸۹۴ء
(۳۰) پنجاب بورڈل ایکٹ

عربی

- (۳۲) فتاویٰ عالمگیری

فارسی

- (۳۲) فتوحات فیروزی مصنفہ فیروز شاہ
(۳۶) تاریخ خلائی حضرت امیر خسرو
(۳۸) آئین اکبری - از ابوالفضل
(۴۰) تاریخ مبارک شاہی
(۴۲) تاریخ قرشتہ
(۴۴) سیر المتاخرین
(۴۶) آثار الامراء
(۳۵) تزک بابری
(۳۷) تزک جہانگیری
(۳۹) تاریخ بدایونی
(۴۱) تاریخ فیہار الدین برنی
(۴۳) منتخب البلب اول دوم مصنفہ نغی خانی
(۴۵) آثار عالمگیری
(۴۷) رقعات عالمگیری

اُردو

- | | |
|--|---|
| (۵۰) اخبار تیغ - دہلی، ارمی ۱۹۴۲ء | (۴۹) سفرنامہ ابن بطوطہ |
| (۵۲) تاریخ سلطنت خدا داد مصنفہ محمود خان بکوری | (۵۱) دربار اکبری مصنفہ مولانا محمد حسین آزاد |
| (۵۴) تاریخ انگلستان | (۵۳) رسالہ قانون لاہور |
| (۵۶) تاریخ بجا پور مصنفہ مولوی بشیر احمد صاحب | (۵۵) میراثنامہ مصنفہ مولانا فضل حق صاحب |
| (۵۸) تفریبات ہند | (۵۷) کالا پانی - از مولانا محمد جعفر تھانیسری |
| (۶۰) تاریخ قلع فرخ آباد مصنفہ کالراشے | (۵۹) وفاقی ہند - از علامہ نجم الدین جعفری |
| (۶۲) اورنگ زیب پراک نظر مصنفہ مولانا ناشی | (۶۱) دارالحکومت مصنفہ مولانا بشیر احمد صاحب |
| x x x x x | (۶۳) مولانا عبید اللہ سندھی از علامہ سرور |

ہندی

- | | |
|-------------|------------------|
| (۶۵) بھاگوت | (۶۴) منو سمرتی |
| امداد صابری | (۶۶) اتہاش پرورش |

قدیم ہندوستان کی تاریخ جرم و سزا

عہد قدیم میں آریہ ہندو ملک کی فتوحات کرتے اور اصلی باشندوں کو جوشی اور جنگی تھے اپنی شجاعت اور بہادری سے غلام بنالیتے تھے۔ راجہ سلطنت کے انتظام میں راج سبھا اور ہمتی کا صلاح و مشورہ لیا کرتا تھا۔ کوئی ٹیکس یا معاملہ مقرر نہیں ہوتا تھا۔ گاؤں میں پنچائیتیں قائم تھیں جو گاؤں کا انتظام کیا کرتی تھیں۔

راجہ نقدے بھی فیصلہ کیا کرتا تھا۔ چوری کی سزا اس شخص کی صلاح سے دی جاتی تھی جس کا مال چرایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی چور کے رشتہ داروں کو ہرجہ دینا پڑتا تھا۔ عام طور پر چور کو شکنجہ میں پکڑا جاتا تھا۔ موت کی سزا نہ تھی لیکن قاتل کو نوں بہا کے طور پر گائیں مقنول کے خاندان والوں کو دیتا پڑتی تھیں۔ سسرائیں موقعہ اور محل کے مطابق دی جاتی تھیں۔

منوی تقسیم ذات

منوی نے عہد برہمنی میں آریہ ہندوؤں کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا۔ برہمن، چھتری، ویش، شدر۔ برہمن تینوں ذاتوں کا سردار تھا۔ اُس کی عزت راجہ سے بڑھ کر تھی۔ شدر طبقہ کو انتہائی ذلیل سمجھا جاتا تھا اگر کوئی شدر کسی دوسری ذات کے آدمی کو نکالی دیتا تو اس کی زبان کاٹ لی جاتی۔ اگر وہ برہمن کے ساتھ ایک چیر پڑھتا تو اس کے جسم کے حصہ پر گہرا گھاؤ کر دیا جاتا تھا۔ اگر کسی مذہبی امور میں وہ برہمن کو مشورہ دیتا یا لوگوں کو بڑھانے کی جرات کرتا تو گرم تیل اُس کے منہ اور کان میں ڈال دیا جاتا۔ اگر کوئی شخص برہمن کا درپہ چڑھتا تو

اُس کے لئے سزائے موت تجویز ہوتی۔ اگر برہمن سے کوئی ایسا جرم بھی ہو جاتا جس کی سزا موت ہوتی تو اُس کا ہمنڈ و اگر مع اس کے کٹھ اور مال کے صرف جلا وطن کر دیا جاتا تھا۔ پھانسی پر نہ چڑھایا جاتا تھا۔ اگر برہمن کے مویشی چوری ہو جاتے تو چور کا آدھا پیر کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر برہمن کو کہیں سے دھینہ ہاتھ لگ جاتا تو سب کا سب اسی کا ہونا اور اگر کسی اور ذات والے کو ملتا تو اس سے راجہ لے لیتا۔ برہمنی کتیا سے جماع کرنے پر ایک سال تک جیل خانہ میں رکھا جاتا اور اسی جرم میں چھتری کی موچھ پیشاب سے منڈوا دی جاتی اور جرمانہ کیا جاتا تھا برہمن چھتری کو وید کا تعلیم دے سکتا تھا لیکن چھتری کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی دوسرے شخص کو تعلیم دے۔ خواہ وہ برہمن ہو۔ ویش اور شدر کے لئے وید کا سنا جائز تھا۔ چہ جائیکہ اس کو زبان سے نکالنا اور پڑھنا۔ اگر دونوں میں سے کسی کا پڑھنا ثابت ہو جاتا تو برہمن اس کو حاکم کے حوالہ کر دیتا تھا۔ اس کی زبان کاٹنے کی سزا دیتا تھا۔

ان چاروں ذاتوں سے نیچے ادنیٰ درجہ کے ذلیل لوگ شمار کئے جاتے تھے جن کو کسی طبقہ کا نہ کہا جاتا تھا۔ وہ صرف اپنے پیشہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ یہ لوگ اتنے کمالات تھے پیشہ کے اعتبار سے ان کے اکٹھے فرقے تھے۔ یہ لوگ اپنے مہجہ کے دوسرے پیشہ والوں میں مل جاتے تھے۔ سوائے دھوبی، موچی اور جلا ہے جن کے پیشہ میں دوسرے پیشہ والے تنزل نہیں کرتے تھے۔ چیر بنی ہیں۔

(۱) کپڑا دھونے والا دھوبی۔

(۲) موچی

(۳) بازی گریانٹ

- (۱۴) ٹوکریاں اور ڈھال بنانے والا۔
 (۱۵) کشتی چلانے والا۔ ملاح۔
 (۱۶) مچھلی کا شکار کرنے والا۔ مچھیرا۔
 (۱۷) وحشی جانور اور چڑیوں کا شکار کرنے والا۔
 (۱۸) کپڑا بننے والا۔ جلاہا۔

ان سب کو چاروں ذات والے اپنی آبائی میں سکونت پذیر نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ گاؤں سے باہر آیا کرتے تھے۔ ہاڑی، ڈوم، چندال اور بدھنویہ لوگ کھیتی باڑی میں بھی داخل نہیں تھے۔ یہ لوگ گندے کاموں مثلاً گاؤں کو صاف کرنے اور ان کی دوسری خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی حالت اولاد و زنا کی طرح تھی۔

انسانی طبقات کے پسران | اس زمانہ کے راجہ چوہنے فن یعنی کاروبار کی طرف توجہ رکھتے تھے اس کا بڑا اہتمام

کرتے کہ لوگوں کو طبقات اور مراتب میں تقسیم کریں۔ وہ ان طبقات کی ایک دوسرے میں مل جانے اور نظم میں اتری واقع ہونے سے حفاظت کرتے تھے۔ اور اس کے لئے باہمی میل جول ناجائز قرار دیتے تھے۔ ہر طبقہ کو اسی کام کے مہر اور پیشہ پر مجبور کرتے تھے جو اس کے لئے مقرر ہے کسی کو اپنے مرتبہ سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور جو شخص اپنے مرتبہ پر قناعت نہ کرتا اس کو سزا دیتے تھے۔

منوشاستر میں تفسیر و عدل کے طریقے کیا ہیں اس کو مستشرقین پرکھ سکتے۔
 منوشاستر | منوشاستر چونکہ ہندو فہم کی ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اس لئے اس میں عدل و انصاف کے متعلق واضح احکام موجود

ہیں۔ ان احکام کی رو سے نفاذ عدل کی ذمہ داری براہ راست راجہ پر عائد ہوتی ہے اور وہ یہ فرض یا تو برمنہوں اور شیروں کی امداد سے کرتا ہے یا کسی خاص ایک برہمن کو تفویض کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے تین اہمہروں کی مدد سے مقدمات کا فیصلہ کرے۔

مقدمہ کی فیس | مقروض مدعا علیہ اگر اپنا قرض تسلیم کر لیتا تو بادشاہ اُس میں سے پانچ فی صدی کا مستحق ہوتا تھا۔ اور ان قرضوں سے انکار کیا جاتا لیکن دوبارہ سماعت میں ثابت ہو جاتے تو اُن پر راجہ کو دوبارہ فیس ملتا تھا۔ فیس کی رقم ججوں کو ملتی تھی اور اس طرح وہ بغیر کسی تنخواہ کے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔

جج کے فرائض | دوران سماعت میں ایک راجہ یا جج کا فرض تھا کہ وہ فریقین اور گواہوں کے بیانات کے ساتھ ہی ان کے حوکت و سکات اور چہرہ کا بھی خیال رکھے۔ مقدمات کے فیصلے مقامی رسم و رواج اور مختلف ذاتوں و کنبوں کے رسم کے مطابق کئے جاتے تھے۔

پیشرو حکام کے فیصلے قابلِ مثال سمجھے جاتے تھے بشرطیکہ وہ مقامی رسم و رواج کے منافی نہ ہوتے۔ مقدمات کا فیصلہ کرنا راجہ اور اس کے افسروں کا فرض تھا لیکن مقدمہ بازی کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔ وہ راجہ سب سے ہرا سمجھا جاتا تھا جو اپنی رعایا سے مالِ بہ وصول کرے لیکن اس کی حفاظت نہ کر سکے۔

راجہ کا فرض تھا کہ وہ مشتعل مقدمہ بازوں، بوڑھوں اور بیماروں کی سخت کلامی برداشت کرے اور ماہرانہ قانون سے مشورہ کئے بغیر محض اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ کرنے میں محتاط رہے۔ جو مقدمہ قانون کے مطابق فیصلہ ہو جاتا اس میں

راج کو رو د بدل کرنے کا اختیار نہ تھا۔ اسے مسئلہ طریقوں کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔

قانون فوجداری | قانون فوجداری بہت سخت تھا اور اس میں بعض حصوں اور مذہبی منلوں سے قدیم ہندوؤں کے متعلق دل پرچھا

اثر نہیں پڑتا۔ اگر توہمات اور ذات پات کا تعصب شامل ہو تو یہ منرائیں غریب ہو جاتی تھیں۔ بعض حالات میں منرائیں بہت نرم تھیں اور بعض حالات میں منرائیں بہت سخت تھیں۔ ہاتھ کاٹنا منرائیں شامل تھا۔

مذہبی گناہوں کی سزا زندہ جلانا | مذہبی گناہوں کی باواش میں زندہ جلانا شامل سزا تھا۔ منرائیں جرائم

کے اعتبار سے خیر مناسب تھیں۔ اسی اوقات اس قدر خیر واضح اور شفا دہنی تھیں کہ مجرم سماعت فیصلہ سے پیشتر یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسے کیا سزا دی جائے گی۔

زانی اور زانیہ کی سزا | تیرتھ کے موقع پر جنگل میں یا دریاؤں کے سنگم پر کسی کی بیوی سے گفتگو کرنا اسے پھول یا عذرایت

بھیجنا، اس کے کسی زیور یا کپڑے کو چھونا یا اس کے بستر پر بیٹھنا جرم تھا۔ اور ان کی سزا جلاوطنی تھی۔ ساتھ میں جرم پر اس قسم کے نشانات کر دیے جاتے تھے جس سے اس کی شناخت ہو جائے کہ یہ اس جرم کا پانی ہے۔ زنا کی سزا کوکتوں سے پھڑوا

دیا جاتا تھا۔ اور زانی کو لوہے کے پتنگ پر آگ سے تپا کے جلادیا جاتا تھا لیکن بعض شلوک اس قسم کے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کی سزا پانچسو سے ایک ہزار پانہنگ

جرات تھی۔ علاوہ بریں زنا کا فیصلہ کرنے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ زانیہ کس حیثیت کی عورت ہے۔ اگر کوئی سپاہی یعنی چھتری کسی برہمنی عورت سے زنا کرتا

تو اُسے بہت سخت سزا دی جاتی تھی۔ کبھی گھانس یا نرسل اُس پر ڈال کر کس جلا دیا جاتا تھا۔
قتل کی سزا قتل کی کوئی واضح سزا منوٹا ستر میں نہیں ملتی۔ ایک ٹکڑے سے ظہر ہوتا ہے کہ اگر قتل کے ساتھ آتش زدگی اور ڈاکہ زنی بھی ہو تو

مجرم کو سزائے موت دی جاتی لیکن بعض اشلو کوں میں قتل کی سزا ہلکی بتائی گئی ہے۔
چوری کی سزا معمولی چوری کی سزا جرمانہ تھی۔ بڑی رقم کی چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر کسی چور کے پاس گرفتار ہوتے

وقت چوری کا مال نکل آتا اور اُس کی چوری کرنے میں کوئی شک نہیں رہتا تو اُس کی سزا موت تھی۔ چوری کے مال لینے والوں اور چوروں کو پناہ دینے والوں کو بھی وہی سزا دی جاتی تھی جو چوروں کو دی جاتی تھی۔ اور یہ بات قابل لحاظ ہے کہ چوری کے چھوٹے جرائم میں برہمن سے شدر کے مقابلہ میں اٹھ گنا جرمانہ لیا جاتا تھا۔

مجرم راجہ کو سزا راجہ کوئی جرم کرتا تو اُسے ایک عام شہری سے ہزار گنا زیادہ جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ اُس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ قانون راجہ کے جرم کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔

ڈاکہ زنی کی سزا موت ڈاکہ زنی کے الزام میں ہاتھ کاٹ دے جاتے تھے۔ اگر اس کے ساتھ خون بھی شامل ہوتا تو اس کی

سزا موت تھی۔ جو لوگ ڈاکوؤں کو پناہ دیتے یا انہیں خوراک پہنچاتے تو ان کی سزا موت تھی کسی کو گالی دینا بھی جرم تھا لیکن مختلف ذاتوں کے لحاظ سے سزائیں بھی مختلف تھیں۔ جو لوگ اپنے اندھے، لولے، لنگڑے، پروسوں کو اندھا، لولا، لنگڑا کہہ کر شرمندہ کرتے تھے انہیں جرمانہ ہوتا تھا۔ اگر برابر کے لوگوں میں مار پیٹ ہو جاتی

اور خون نکل آتا تو عام طور پر سوپانہ جرمانہ ہوتا تھا۔ اگر گہرا زخم آتا تو جرمانہ کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ مار پیٹ میں ہڈی ٹوٹ جانے کی سزا جلاوطنی تھی۔

اوپر درجہ کے ملزموں کو سزائیں متبادل زیادہ دی جاتی تھیں انٹری معاجوں، کھیت خراب کرنے والوں، مٹی کی موتیں توڑنے والوں اور خالص پیروں میں آمیزش کرنے والوں کو ڈھائی سو سے پانچ سو پانہ تک جرمانہ کی سزا ہوتی تھی۔ ناقص غلہ کو اچھا غلہ بنا کر فروخت کرنے کی پاداش میں سخت سزا دی جاتی تھی۔ بے ایمان سناں کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالی جاتی تھی۔ اپنے واپس بیٹے باپ کو چھوڑ دینے کی سزا چھ سو پانہ تھی۔

شکاریوں، بازاری ناچنے والوں، خدا اور وید کے منکرہ میں کو فراشر ہر بد کردیا جاتا تھا۔

قانون دیوانی | قدیم ہندوؤں کے قانون دیوانی ضابطہ درج ذیل سے بہتر ہیں اور اس قدیم زمانہ تہذیب کا حافظہ کھتم ہوئے انہیں دانشمندانہ کہا جاسکتا ہے۔

شہرت | جن لوگوں کا کسی معاملہ سے مالی مفاد وابستہ ہوتا یا گناہ نہ لوں معمولی خدمت گاروں، گہرے دوستوں اور ایسے لوگوں کا جن کا چال چلن مشتبہ ہو ان کی گواہی قابل اعتبار نہ ہوتی تھی لیکن معتبر گواہان نہ ملنے کی صورت میں ہر قسم کی گواہیاں لی جاتی تھیں اور جج کو فیصلہ صادر کرتے وقت ان غیر معتبر مگر مسوع گواہوں کا خیال رکھنا پڑتا تھا جھوٹی شہادت دینا جرم تھا شہادت کے سلسلہ میں ایک عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص کسی کی جان بچائے کیلئے

جھوٹی گواہی دنیا وہ مجرم ضرور ہوتا لیکن سودگ میں اُسے جگہ ضرور ملتی کیونکہ اُس نے گناہ ایک نیک مقصد کے ماتحت کیا تھا۔

اگر کوئی کٹائے یا برہمن کے تحفظ کے سلسلہ میں جھوٹی قسم کھاتا تو اُس کو پاپ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہندو شہر و روستا حلف کی بعض حالات میں اجازت دیتا ہے۔ لیکن ان چند مخصوص حالات کے علاوہ جھوٹی قسم کو ہمیشہ جرم سمجھا گیا۔

قرض خواہوں پر تشدد کا حواز | ایک اشلوک کا ترجمہ یہ ہے کہ جو عدالت

اُسے سر کے بل نرگ میں جھونک دیا جائے گا۔ قرض خواہوں کو اجازت تھی کہ وہ عدالت میں استغاثہ دائر کرنے سے قبل مقروض سے اپنا روپیہ وصول کرنے کی پوری کوشش کرے چاہے اُسے ایک مخصوص حد تک تشدد کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔ یہ قانون اب بھی بعض ہندو ریاستوں میں رائج ہے کہ قرض خواہ مقروض کو اپنے مکان کے اندر قید کر دیتا ہے۔ اُسے بھوکا رکھتا ہے۔ دھوپ میں بٹھاتا ہے اور قرض کی ادائیگی کے لئے مجبور کرتا ہے۔

سود کی شرح برہمن کے لئے دو فی صدی اور شدر کے لئے پانچ فی صدی ماہوار تک تھی۔ جس شادی میں لڑکی کا باپ کوئی رقم وصول کرتا وہ شادی ممنوع تھی۔ (ہسٹورینس ہسٹری آف ورڈ۔ جلد دوم ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۸)

مستشرقین یورپ کے غلط رپارٹ | ہمیں مستشرقین یورپ کی متواتر کے بارے میں مندرجہ بالا اس

رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ ان کے ضابطہ فوجداری سے قدیم ہندوؤں کے منطوق دل پر اچھا اثر نہیں پڑتا اور وہ بہت سخت تھے۔“

جہاں تک قانون کی سختی کا تعلق ہے یہ اس دور کے قانون میں جن کو ہزار ہا سال گزر چکے ہیں جب کہ بقول مستشرقین یورپ دنیا تہذیب ابتدائی حالت میں تھی اور یہ ہندوستان کا قدیم زمانہ تھا لیکن اسی قانون قدیم کے مقابلہ میں اس وقت جبکہ یورپ کی دنیا مہذب و تمدن ہونے کی دعویٰ دیتی گری تھی اور معراج ترقی و کمال پر پہنچ چکی تھی۔ یعنی آغاز انیسویں صدی میں انگلستان کا قانون فوجداری دیکھا جائے تو ظاہر ہو گا کہ وہ انتہائی بدتر اور پرہیاب تھا اور صحیح معنی میں انگلستان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا تھا۔ اس میں دو سو جرائم کی سزا موت تھی جس میں اکثر جرائم بہت معمولی نوعیت کے ہوتے تھے۔ کیا جیب کترنے کسی ممنوع جگہ سے مچھلی پکڑنے، چھوٹے چھوٹے درخت کاٹنے، دھمکی آمیز خطوط لکھنے، خرگوش مارنے، پانچ شلنگ کی چیز چرانے اور چھوٹے دستخط بنانے پر یورپ میں مجرموں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارا جاتا تھا یا کیا ایک تیرہ سالہ بچے کو مکان میں داخل ہو کر چھپچھپانے کے الزام میں پھانسی کی سزا انگلستان کے ضابطہ فوجداری نے نہیں دلوائی تھی۔

جب ایسی صورت ہے تو مستشرقین یورپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عہد قدیم کے بزرگوں کو اپنے دل سے اتار دیں اور ان کے افعال سے برا اثر لیں۔ ہم اس دور کے اور اس کے بعد کے قانون والے بزرگوں کو سخت قوانین بنانے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ وہ دور ہی ایسا تھا۔ دنیا کو اسی طرح ترقی کرنی تھی اور

اصول اصلاح کو اختیار کرنا تھا پیرت اور تعجب تو انگلستان کے انیسویں صدی کے قانون فوجداری پر ہے جبکہ معلومات سائنس کی شعاعیں دنیا کے دماغوں کو منور کر چکی تھیں۔ اس وقت یہ اندھیر نگری تھی۔

جیل خانہ اس دور میں موجود تھا چنانچہ متھرا کے راجہ کنس نے کرشن جی کے ماں اور باپ بے گناہ اور

دیو کی کو اس خوف سے کہ ان کا لڑکا میری موت اور قتل کا باعث ہو گا قید خانہ میں ڈال دیا۔ جو بارہ برس تک اسی جیل خانہ میں مقید رہے۔ بارہ برس کی عمر میں کرشن جی نے اپنی طاقت و بہادری کے زور پر ان کو آزاد کرایا جیل میں ہی کرشن کے باپ کے ہاں پانچ لڑکے ہوئے جن کو جیل سے منگو کر راجہ کنس نے مروا دیا جب جیل میں کرشن جی پیدا ہوئے تو ان کے ماں باپ کو اس بچہ کی جان کا فکر ہوا بیوی نے انہیں گروکل لے جانے کا مشورہ دیا۔ باپ اس مشورہ پر عمل کرنے کے لئے غور ہی کر رہے تھے کہ عہدی ادا ہوئی۔ خود بخود بٹری اور تھکڑی کھل گئی۔ نیز سب دروازے اور قفل کھل گئے، چوکی پہرے والے سیہوش نیند میں سو گئے۔ تب ان کے باپ کرشن جی کو گروکل چھوڑ آئے اور جیل میں واپس آ گئے۔ جیل کے دروازے خود بخود اسی طرح بند ہو گئے۔ اور ہاتھ پاؤں میں اسی طرح بٹری اور تھکڑیاں لگ گئیں۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ برہمنی دور میں بٹری اور تھکڑیوں کا وجود تھا اور مکان نا جیل خانے تھے جس میں قفل لگایا جاتا تھا۔ لیکن ایسے وسیع جیل خانے نہ تھے جیسے موجودہ زمانہ میں ہیں۔

بھاڑ کی کھوہ کی طرح کا جیل خانہ | اس زمانہ میں زیادہ قیدیوں کو مقید کرنے کے لئے کوئی بڑا عمارتی جیل خانہ نہ تھا

۱۹ بجھ گوت دسواں سنگدھ، ادھیاسے پہلا دور سرائیسرا، چوٹھو اور دھملا

چنانچہ جب راجہ جر سندھ نے بیس ہزار آٹھ سو راجہ قید کئے تو اس نے ان کو جیل خانہ میں نہیں بلکہ پہاڑ کی کھوہ کی طرح ایک گڑھا کھدوا کر اس میں بند کر دیا تھا۔ چنانچہ بھاگوت میں اس کا یوں ذکر ہے۔

جب جر سندھ مروادیا گیا تو کرشن جی جہاں راجہ قید تھے وہاں گئے تو کیا دیکھا کہ ایک گڑھا پہاڑ کی کھوہ کی طرح کھود کر اس میں سب راجہ قید ہیں۔ ایک بھاری پتھر اس کے دروازہ پر رکھا ہے۔ جب راجوں کو کھوہ سے باہر نکلو یا تو وہ لوگ بٹری اور تھکڑی پہننے اور بال باورناخنوں کے بڑھنے سے بہت دکھی تھے۔ ان لوگوں کی بٹری تھکڑی کٹوا کر حجامت بنوائی اور غسل کرایا

اس عہد میں یہ ضروری نہ تھا کہ ہر ایک راجہ کے ہاں جیل خانے ہوں اور وہ قیدیوں کو ان جیل خانوں میں بند کرے۔ اس عہد میں قیدیوں کو مکان میں ہی بند کیا جاتا تھا اور پولیس کا چوکی پہرہ بٹھا دیا جاتا تھا چنانچہ کرشن جی کے پوتے انرودھ کو مانا سر راجہ نے ایک مکان میں بٹری تھکڑی لگا کر قید کر دیا تھا۔

مہاراجہ مند (قبل مسیح ۳۵۰) نے اپنے وزیر اعظم اشکبار کو معہ اس کے خاندان کے خالی کنوئیں میں قید کر دیا اور تمام خاندان کے کھانے کے لئے صرف سوا سیر ستور وزانہ دے جاتے تھے وہ ستور خاندان کے افراد نہیں کھاتے تھے بلکہ بھوکے مرتے تھے۔

چنگی ادا نہ کرنے پر بھانسی | چندر گپت موریا (۳۲۵ قبل مسیح) کے دور میں چھوٹے چھوٹے جرموں پر ہاتھ پاؤں، ناک،

۱۵ بھاگوت دسواں اسکندھ ادھیائے ستر ۵۷ بھاگوت

کان کٹاؤںے جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی سزائے موت تک بھی ٹوٹ بیچ جاتی تھی یوں جرمائے دینے پر بھی سزا سے معافی مل جاتی تھی۔ قتل کرنا۔ تالا بوں کے پستے توڑنا۔ سرکاری مال یا جائیداد کو نقصان پہنچانا۔ نقب لگانا وغیرہ جرائم کے لئے پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔ نیز جنگی کام حصول ادا نہ کرنے والا بھی دار پر چڑھا دیا جاتا تھا ایک برگندگی پھیلانا قابل سزا جرم سمجھا جاتا تھا۔ سخی کرنے کے بعد اگر ملزم جرم کا اقبال کر لیتا تو اسے جیل بھیجا جاتا۔ سزائیں اٹھارہ قسم کی تھیں جن میں کوڑے مارنے بھی شامل تھے

موت کی سزا منسوخ | چند رگیت مورید کا دور سخت سزائوں کا دور تھا مگر شوک (قبل مسیح ۱۲۴۲) نے نرمی اختیار

کی۔ سال میں ایک دفعہ جیل خانے کھولے جاتے تھے اور قیدی رہا کر دیے جاتے تھے۔ بشرع میں شوک نے موت کی سزا منسوخ نہیں کی تھی مگر بعد میں شوک نے اپنے تخت نشینی کے ستائیسویں سال میں موت کی سزا کو منسوخ کر دیا تھا اور قطع و برید اعضاء بھی منسوخ قرار دے دیے تھے چنانچہ وہ اپنے فرمان میں جو کہ فیروز شاہ کوٹلہ کے نادر ستون کے کتبہ میں درج ہے۔ اس کا ذکر کرتا ہے :-

جو حدود و مقرره سے عدول کریں ان کیلئے جرمائیں اور سزائیں
بسی ہیں۔ ارتکاب جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سزا کی مقدار و مقدار
گئی ہے لیکن مرتکب جرم کو میں قتل نہ کروں گا جو بد کار قید اور قتل
کے مرتکب ہوں گے میرے رحم سے قطع و برید اعضاء سے بچ جائیں گے
وہ خیرات دیں گے اور ان کو روزہ کا کھارہ بھی دینا پڑے گا۔

دارالحکومت جلد دوم صفحہ ۹

باغیوں کو قطع بیدی سزا | ناہیان ایک چینی بدھ مذہب کا سیاح چند گت
بکرماجیت کے عہد میں ہندوستان آیا تھا جس نے
یہاں ۳۹۹ء سے ۴۱۴ء تک سفر کیا ہے وہ اپنے سفر میں ہندوستان کی اسوقت
کی سزاؤں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

از تکاپ جراثیم بر اکثر جرانے ہوتے تھے سزائے موت قانون میں تھی
بادشاہ جہانی سزا کسی کو نہ دیتا تھا حتیٰ کہ وہ لوگ جو بغاوت پھیلانے
کے سزاوار ہوتے تھے صرف اتنی سزایا تے کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ
دیا جاتا تھا۔ جانور کی قربانی بہت کم ہوتی تھی۔ گوشت صرف ایک
قوم خنڈیاں بختی تھی۔ جب وہ بازار میں نکلتے تو اپنے ہاتھ میں ڈنڈے
بجائے تھے تاکہ وہ کسی کو نہ چھو جائیں۔

اعضائے قطع و برید کا دوبارہ لحاظ | راجہ ہرش متونی ۶۴۷ء کے قوانین گیت
خاندان کے راجاؤں کے قواعد سخت تھے
سزائیں سخت دی جاتی تھیں مگر موت کی سزا نہ دی جاتی تھی مگر معمولی جرائم پر ہاتھ
پاؤں یا اعضائے جسمانی کاٹ دے جاتے تھے۔ جرائم کا اقرار کرنے کے لئے تشدد کا
استعمال جائز سمجھا جاتا تھا۔

برہمن قاتل کیلئے آہنی ڈھانچہ | راجہ چندر اپا کے عہد حکومت میں ایک
برہمن کی زویہ داد خواہ ہو کر راجہ کے
دربار میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا میرا شوہر قتل کیا گیا ہے لیکن قاتل کا نام و نشان
معلوم نہیں ہے۔ راجہ نے سوال کیا کہ تجھ کو کسی شخص پر شبہ ہے یا نہیں بخورت نے کہا

لے تانج ہندیا جی رائلنس =

میرا غم ہر نیک خصلت تھا اور ظاہر اس کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ لیکن فلاں شخص سے میرے شوہر کے درمیان مسائل حکمت پر اکثر بحث ہوا کرتی تھی۔ یہ شخص راجہ کے حضور میں حاضر کیا گیا لیکن اس نے جرم سے قطعاً انکار کیا۔ مدعیہ آگ پانی کے حلفی فیصلہ پر راضی نہ ہوئی کہ شاید یہ شخص ایسی صورت میں افسوس و منتروں کا استعمال کر کے اپنے جرم سے بریت حاصل کر لے۔ راجہ نے عالم پریشانی میں کھانا پینا اور سونا اپنے اوپر حرام کر لیا۔ ایک روشن ضمیر فاضل نے راجہ کو جواب میں ایک منتر سکھایا اور یہ بتایا کہ چاول کے آٹے پر اس منتر کو پڑھ کر آٹے کو پھیلاؤ اور جس شخص پر جرم کا گمان ہو اس کو حکم دو کہ آٹے پر چلے۔ اگر اس آٹے پر دو شخص اس کے نقش قدم بن جائیں تو اس چلنے والے کو بطور مجرم گرفتار کرو۔ اس ترکیب پر عمل درآمد کیا گیا تو حقیقت کا پتہ چلا اور مجرم کو سزا دی گئی لیکن برہمن کو قتل کرنا جائز نہ تھا۔ اس لئے ایک آہنی انسانی ڈھانچہ بے سر کا بنایا گیا اس میں اس برہمن کو بکھڑا گیا۔ اور پھپھس کی پیشانی کو داغا گیا۔

(آئین اکبری اول ص ۱۰۹)

قلعہ میں قید کرنا محمود غزنوی ۹۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ ہندوستان سے مال غنیمت کے علاوہ ہزاروں انسانوں کو قید کر کے لے جاتا تھا۔ اور ان سے غزنی میں عمرہ عمارتیں اور مسجدیں بنواتا تھا۔ اسی بادشاہ نے سندھ میں باغیوں کو قلعہ میں مقید کیا چنانچہ سکھیاں جس نے اس کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اس کو محمود نے بلخ سے واپسی پر عمر بھر کے قید خانہ عجب غریب قید خانہ جب محمود غزنوی نے نہروالے کے قلعہ کھنڈ کو جو سومنات سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے فتح

کر لیا اور اس کا راجہ پریم دیو فرار ہو گیا تو محمود نے اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے کے بعد باشندگان سو مناتھ کا مشورہ لے کر وابلیم مرتاض کو بلایا اور نہروالے کی حکومت اس کے سپرد کی۔ وابلیم نے سالانہ خراج کی رقم مقرر کرنے کے بعد محمود سے کہا کہ فلاں وابلیم جو میرا ہم قوم ہے۔ میرا جانی دشمن ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ مجھے نہروالا کا راجہ بنا کر آپ اپنے ملک کو واپس ہو گئے تو وہ مجھے کمزور سمجھ کر ضرور مجھ پرست کرکشی کرے گا۔ اور چونکہ ابھی میری حکومت کو استقلال اور قوت حاصل نہیں ہوئی وہ ضرور مجھ پر غالب آجائے گا۔ اگر بادشاہ مجھ پر اتنی عنایت فرمائیں تو میں اس کے شکرانے میں کابل اور زابل کے خراج کی کوئی مقدار ہر سال سلطانی خزانہ میں داخل کرتا رہوں گا۔

محمود نے وابلیم کے ملک پر حملہ کیا، فتح پائی اور وابلیم کو زندہ قید کر کے وابلیم مرتاض کے سپرد کیا۔ وابلیم مرتاض نے محمود سے کہا کہ ہمارے مذہب میں بادشاہ کو قتل کرنا ناجائز ہے بلکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر فتح حاصل کر لے تو اسے گرفتار کر لیتا ہے تو فاتح اپنے تخت کے نیچے ایک تنگ تانیک گھس بنوا کر مفتوح بادشاہ کو اس میں قید رکھتا ہے۔ اس گھر کی دیوار میں ایک سوراخ کر دیا جاتا ہے اور اس سوراخ سے اس قیدی کو روٹی اور پانی پہنچاتے ہیں۔ اور یہ قید اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک فاتح اور مفتوح دونوں یکساں کسی ایک کا خاتمہ نہ ہو جائے چونکہ میرے پاس کوئی ایسا قید خانہ نہیں ہے اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے کہ دشمن کو اس طرح رکھ کر اس کی حفاظت کروں اور نیز اس کو اپنے پاس رکھنے کی صورت میں مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ آپ کے چلے جانے کے بعد

کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کے ہی خواہ مجھ پر حملہ کر کے اس کو میرے ہاتھ سے چھین لیں۔ اس لئے میری یہ التجا ہے کہ اس قیدی کو بجائے میرے پاس چھوڑنے کے آپ اسے اپنے ہمراہ غزنی لے جائیں اور جس وقت میری حکومت یہاں مضبوط ہو جائے اور میں کسی شخص کو بارگاہ سلطانی میں بھیجوں اس وقت میرا قیدی میرے حوالہ کیا جائے۔

چنانچہ محمود اس قیدی کو غزنی لے گیا۔ جب واشلیم مترناض نے اپنی حکومت سومات کو خوب مضبوط اور حکم کر لیا تو اس نے چند برس کے بعد قاصد کو محمود کی خدمت میں روانہ کیا اور واشلیم قیدی کو طلب کیا۔ اس قیدی کو قاصد کے سپر کیا اور قاصد اُسے کٹاں کٹاں حدود سومات تک لائے اور واشلیم مترناض کو آنے کی اطلاع دی۔ اس راجہ نے قیدی کے آنے کے بعد اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ مقررہ زنداں تیار کیا جائے۔ اور قلعہ کے مطابق وہ خود اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ جب واشلیم اس قیدی کے لینے کے لئے بڑھا۔ تاکہ ایک طشت اور ایک لوٹا اس قیدی کے سر پر رکھ کر اپنے گھوڑے کے ساتھ اُسے دوڑاتا ہوا لے آئے۔ اور اسی حالت میں قید خانہ تک پہنچے۔

اتنا ئے راہ میں واشلیم ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ اور سپر و شکار میں مشغول ہو گیا۔ شکار کی فکر میں اس نے اتنی دوا و دوڑ کی کہ آفتاب کی نماز سے پریشان ہو کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ چونکہ شکار کی دودھوپ سے واشلیم خستہ ہو رہا تھا اس درخت کے نیچے لیٹا اور ایک سُرخ رومال اپنے چہرہ پر ڈال لیا۔ اسی حالت میں قضائے الہی نے اس کی تقدیر کا پانسہ پلٹا اور ایک سخت چنگل جانور اُس سُرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا خیال کر کے نیچے اُترا اور ایسا چنگل رومال پر مارا کہ جانور کے ناخن واشلیم مترناض کی آنکھوں میں گھس گئے اور آنکھیں جاتی رہیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں ہندوؤں میں

رواج تھا کہ کسی ساقط العضو آدمی کو اپنا فرمانروا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لشکر میں ایک شور بیا ہو گیا۔ اور شخص نے واثلیح مرتاض کی اطاعت سے انکار کیا اسی ہنگامہ میں قیدی بھی بیچ گیا۔ اور چونکہ واثلیح مرتاض کے بعد سوائے اس قیدی کے اور کوئی راجہ سختی سلطنت نہ تھا۔ تمام ارکان دولت نے بالاتفاق اس قیدی کے سر پر فرمانروائی کا تاج رکھا۔ اور مرتاض کے سر پر وی طشت اور لوہا رکھ کر اُسے قیدی کی طرح گھوڑے کے ساتھ دوڑانے ہوئے زندان تک لائے اور نظر بند کر دیا۔ بے چارہ واثلیح مرتاض خون کے آنسو روتا ہوا قید خانہ میں داخل ہوا اور اپنی قیمت پر تمام عمر روتا رہا۔

زباغ فرشتہ اول ص ۱۱۵ تا ۱۱۶
شہزادہ الدین کا جیل خانہ | شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۸۶ء میں غاندان سبکتگین کو معہ دم کیڈ اور اپنے دور میں بیخون قلعہ غرچستان میں مقید کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ خسرو ملک خاندان سبکتگین کا آخری بادشاہ ہوا ہے معہ خاندان کے قلعہ غرچستان میں بند کر دیا گیا۔ جہاں برسوں کے بعد وہ قتل کر دیئے گئے۔

محبے بدین کرنا | ۱۲۳۷ء میں قلعہ رائے پتھور کے بدایونی دروازے کے سامنے فصیل میں جہاں حجرے بنے ہوئے تھے وہاں شہزیوں کو بند کیا جاتا تھا

کوڑوں کی سزا | غیاث الدین بلبن ۱۲۶۶ء کا دورِ عداوت اور نصفانہ دور تھا۔ اس کے عہد میں آودھ کے صوبہ ہیت خان نے شہزادہ کے نقشہ میں کسی عریب کو ارٹوں تو اس کی عورت نے نالش کی۔ بادشاہ

پانسو کوڑے لگو کر اس کی عورت کے حوالہ کیا۔ اور کہہ دیا کہ آج تک یہ ہمارا غلام
 بچھا۔ اب تیرا ہوا۔ سہیت خاں نے بڑی سفارشوں کے ساتھ ہمیں ہزار روپیہ دے کر
 اس عورت کی غلامی سے آزادی پائی

چوکی ستر العبودریا شہور | جلال الدین فیروز شاہ خلجی (۱۲۹۸ء) انتہائی
 رحمدل اور درگزر کرنے کا عادی بادشاہ تھا۔ اس

کی نرمی کا حال حضرت امیر خسرو نے تاجخِ علانی میں لکھا ہے کہ اُس کے دور میں چوروں
 سے محض قسم ترکِ پشہ لی جاتی تھی۔ جو چور قسم کھا لیتا تھا اُس کو چھوڑ دیا جاتا تھا
 ایک مرتبہ ایک ہزار ٹھک ہمازیں براہِ نری سبکا لہ بھج دیے گئے۔ گویا یہ ان کی ہزار
 دوامِ جلس بہ عبورِ دریا سے شہور تھی۔

دودھ پیتے بچوں کا قتل | علاؤ الدین خلجی (۱۲۹۵ء) کی فوج گجرات کی فتح کے
 بعد بلوہ کیا اور فوج کے آدمی بھاگ گئے تو بادشاہ نے

اُن سے دودھ پیتے بچوں کو اور اُن کی ماں اور بہنوں کو مروا ڈالا، اور اُن کی عورتوں کو
 خراب کرنے کیلئے نوکروں کے حوالہ کیا۔ مغلوں نے بغاوت کی تو نوشتوں مضلوں کو
 ہاتھیوں کے پیروں سے کچلوا کر اُن کے گلوں کو چھری سے اڑا کر مروا ڈالا۔ نیز اُن کے
 بچوں اور عورتوں کی بھی جان بخشی نہیں ہوئی۔

اسی بادشاہ کے دور میں قلعہ گوالیار میں باغیوں کو قید کرنے کا سلسلہ
 شروع کیا گیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے لڑکے خضر خاں کو اپنے باغی ماموں کے قتل
 ہونے سے نمٹگین ہونے پر قلعہ گوالیار میں بند ہونے کا حکم دیا جس پر خضر خاں کو
 گوالیار لے جا کر کووال اور محافطین قلعہ کے سپرد کیا۔ انہوں نے اُس کو قلعہ میں بند

کر دیا۔ موت کے وقت بادشاہ نے اُس کو ولی عہد مقرر کرنے کیلئے رہا کرنے کا حکم دیا۔
شرابیوں کیلئے کنوئیں کا قید خانہ | علاؤ الدین خلجی نے شراب پینے پر سخت
 پابندی لگا رکھی تھی لیکن اس کے باوجود
 ایک گروہ شراب پیتا تھا۔ اُن کو قید و زنت کی پرواہ نہ تھی اور بادہ پستی میں بالکل
 مہمک و مستغرق تھا۔ بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ بدایوں سواڑہ
 کے پاس جو شارع عام پر واقع ہے ایک کنواں کھودا جائے اور یہی چاہ مذلت اُن
 نافرمان بادہ خواروں کا قید خانہ قرار دیا جائے۔ اسی چاہ مذلت کے قیدی اکثر تو
 حالت قید میں دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے اور جو زندہ درگور اُس قید سے نجات
 پاتے تو وہ برسوں علاج معالجہ کے بعد صحیح و تندرست ہوتے تھے۔

مقررہ نرخ سے کم بیچنے پر ناکان کاٹنے کی سزا | علاؤ الدین خلجی نے
 غلہ، کپڑے، ٹھوڑے
 لوہڈی، غلام اور مایحتاج کی دوسری چیزوں کی قیمتوں پر نرخ مقرر کر دئے تھے۔ اگر
 شاہی مقررہ نرخ میں کوئی فرق معلوم ہوتا تو بیچنے والوں کو سزا دی جاتی تھی۔ اس جرم
 کے مجرم ادنیٰ یہ سزا پاتے تھے کہ اُن کے کلن یا ناک کاٹ ڈالی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک
 مرتبہ ایک دوکان دار کو باٹ سے کم تولنے پر یہ سزا ملی کہ اُس کے جسم سے اُسی قدر گوشت
 کٹوایا جائے قدر اُس نے کم تولنا تھا۔

زندہ لوگوں کی فیس کا تقرر | ملحقات کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک نگرین مزاج
 شاہی درباری نے ایک دن بادشاہ کو خوش ہنسی
 اس سے عرض کیا کہ تمام ضروریات زندگی کا تو نرخ مقرر کر دیا گیا لیکن جو چیز سب سے

زیادہ ضروری ہے اب تک بادشاہ کی قدردانی سے محروم ہے۔ علاؤ الدین نے اس چیز کا نام پوچھا۔ امیر نے دست بستہ عرض کیا کہ زمان بازاں ہی جن کی وجہ سے ملک کے نوجوان اور لشکر کے سپاہی جاہ اور خراب ہو رہے ہیں اب تک اسی طرح مطلق العنان ہیں اور ان کا کوئی نرخ مقرر نہیں کیا گیا۔ بادشاہ ہنسنا اور کہا۔ اچھا میں تمہاری خاطر انکی بھی خبر لیتا ہوں۔ علاؤ الدین خلی نے فوراً امیر بازرا اور کونول شہر کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ کسبوں اور سازندوں کو فوراً آگاہ کر دو کہ شاہی مقرر کردہ نرخ سے زیادہ روپیہ چل کوئی طرح نہ کریں ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ بادشاہ نے اس طائفہ کو بھی صورت و شکل اور کمالات فرض سرود اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا۔ اول اعلیٰ متوسط اور اونی قسم کی جو مقرر کی

انسانی کھوپڑیوں کا برج | سن ۷۷۰ء میں جنگیز خاں کے نواسے اور خواجہ پترمال نے باہم مل کر چالیس ہزار روپے کی جمعیت سے ہندوستان پر دھاوا بولا۔ مغلوں نے کوہ سواک پر قبضہ کر کے امر وہنگ سارا ملک جی کھول کر لوٹا۔ اور فسق و فجور کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا بادشاہ علاؤ الدین خلی نے غازی ملک اور ملک نائب کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا جہاں صلہ عام ہو میں انہوں نے مغلوں کو شکست دی، علی بیگ اور خواجہ پترمال زندہ اسیر ہوئے ملک نائب اور غازی ملک میں نہرا گھوڑے مال غنیمت اور قیدیوں کے پابہ قید گروہ کو ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے مال غنیمت امیروں میں تقسیم کیا اور حکم دیا کہ شہری برج جوئے تعمیر ہوئے ہیں انہیں تھمرا دانیٹوں کے بجائے آٹھ ہزار مقتول مغلوں کے سروں سے کام لیا جائے۔ چنانچہ کام لیا گیا اور مقتولین کے سروں کا برج تعمیر کرایا گیا۔

طرف بھیجا اور حکم دیا کہ خضر خاں اور اس کے بھائیوں کو قتل کر ڈالو، امیر گوالیار پہنچا تو محافظان قلعہ جو تین سواستخاں تھے ان کو قاضی ابن بطوطہ اور گواہوں کو طلب کیا۔ بادشاہ کا حکم پڑھ کر سنا یا۔ پھر شہاب الدین شادی خاں اور ابو بکر اور خضر خاں کو مار ڈالا۔

گائے کو ذبح کر نیکی سزا | قطب الدین کے بعد خسر و خاں جو نو مسلم تھا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے چاہا کہ گائے کو ذبح

نہ ہونے پائے اور جو ذبح کرے اُس کو گائے کی کھال میں سلو کر جلا دیا جائے۔ یہ سزا سننے والوں میں اس وقت راجہ مٹی اور گم پولا میں راجہ بھوانی کا بھاء اس سزا کو دیکھتا تھا اس کا نفاذ خسر و خاں نے مسلمانوں پر بھی چلا کر لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور غلط بادشاہ بن بیٹھا۔

مسلمان بادشاہوں کا جیل خانہ | سلطان شمس الدین التمش کے دور میں باغیوں کو بدایوں کے قلعہ میں نظر بند

کیا جاتا تھا۔ چنانچہ سلطان تاج الدین کو لید ورا اور پنجاب پر قبضہ کرنے کے الزام میں بدایوں کے قلعہ میں نظر بند کیا۔ لیکن جب گوالیار کا قلعہ التمش نے ۱۲۳۲ء میں فتح کیا تو اس وقت یہ قلعہ ۶۱۹ء تک مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں رہا اور اکثر بادشاہ اس کو قید خانہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں اس کے زیرِ خواجہ نے امیر علاج کی بغاوت کے سلسلہ میں لاہور کے باغیوں کی تین سو عورتوں کو گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا تھا۔ جہاں ان کو قید کیا گیا۔

جیل کی اولاد | اس عہد میں معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں پر سخت نگرانی نہیں تھی۔

قیدیوں کے رشتہ داران سے عام طور پر چیل خانہ میں مل لیا کرتے تھے چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ اُن تین سوعورتوں کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں ایک فقیہ کی عورت بھی تھی۔ یہ فقیہ اپنی عورت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ قید خانہ میں سکے پچھریں ہڈیاں چھوئے کے غاروں کا قید خانہ

کیا جاتا تھا چنانچہ بڑے بڑے مجرم قیدیوں کے لئے دارالخلافہ دولت آباد کا قلعہ دو گونہ تھا اُس میں خطرناک غار بنے ہوئے تھے اور اُن غاروں میں بڑے بڑے چوہے تھے جن سے بلی بھی ڈرتی تھی اور بغیر حیلہ کے اُن کا شکار نہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ ابن بطوطہ کے بارے میں ملک خاں افغان نے ابن بطوطہ کو بتایا کہ وہ ایک دفعہ اُس قلعہ کے ایک غار میں قید کیا گیا جس کو چوہوں کا غار کہتے ہیں۔ رات کو وہ جمع ہو کر مجھ پر حملہ کرتے تھے اور میں تمام رات ان کے ساتھ لڑتا رہتا تھا۔ ایک رات میں سو رہا تھا کسی نے خواب میں کہا کہ تو سورہ اخلاص ایک لاکھ دفعہ پڑھ لے خدا سے دعا لے تجھے خلاصی دے گا میں نے سورہ اخلاص اتنی بار ختم کی تو میری خلاصی کا حکم آگیا۔ اور میری خلاصی کا سبب ہوا کہ میرے برابر کے غار میں ملک مل قید تھا وہ بیمار ہو گیا تو چوہے اس کی انگلیاں اور آنکھیں کھا گئے۔ وہ مر گیا۔ بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو بادشاہ نے کہا خطاب کو نکال لو کہیں اُس کو بھی چوہے نہ کھا جائیں۔

شرابیوں کو تہ خانہ میں بند کرنا | اسی طرح تہ خانہ میں شرابیوں کو اسی دُورے لگا کر بند کیا جاتا تھا۔ اوشین دن تک وہیں اُن کو رکھا جاتا تھا جن کو کھانے کے سوا کسی وقت نہ کھوتے تھے۔

ان قیدیوں کی دیکھ بھال | ان قیدیوں کے علاوہ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں ایک جیل خانہ تھا چنانچہ دیکھا ہوا

کہ بادشاہ جمعہ کے سوا ہر روز کل قیدیوں کو دیوان خانہ میں بلاتا تھا۔ دیوان خانہ شاہی محل کے دوسرے دروازہ کے اندر تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جیل خانہ دہلی میں ہی ہوگا جس سے روزانہ قیدی دیوان خانہ میں آجا سکتے تھے جس سے بادشاہ قیدیوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکتا تھا۔ اور ان کی حالت سے ہر روز واقف ہو جاتا تھا۔

قیدیوں کی چھٹی | جمعہ کے روز قیدیوں کو غسل کرنے دھونے دینا اور آرام کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس روز بادشاہ دیوان خانہ میں قیدیوں کو نہیں بلاتا تھا۔ اُس دن قیدی چھٹی مناتے تھے۔

قیدیوں سے بھیک منگوانا | قیدیوں سے اُس زمانہ میں بھیک بھی منگوائی جاتی تھی چنانچہ بادشاہ نے شمس الدین ابن

تاج العارفین کو اور گوئل سے قاضی اور محتسب کو اس جرم میں کہ وہ بادشاہ کے مخالف کی حمایت میں کچھ بول چکے تھے قید کر دیا گیا۔ اور قاضی اور محتسب کی آنکھوں میں سلائی پھر وادی اور اس کے بعد ان کو ہر روز بھیک منگوانے کے واسطے قید خانہ سے باہر لاتے۔ پھر قید خانہ میں لے جا کر بند کر دیتے تھے۔

دُورے کی سزا | اس زمانہ میں دُورے لگانے کی سزا عام تھی چنانچہ خواجہ بیڑی تبریزی کو بادشاہ نے اس جرم میں کہ اس نے ملک اختیار کے بیٹے کو جس کو بادشاہ نے بغاوت کے سلسلہ میں قتل کیا تھا اس کو قتل کا مستحق سمجھا، گرفتار کیا۔ اور دو سو دُورے لگا کر کئی ماہ قید میں رکھا اسی طرح بادشاہ نے

شرف الملک کے بیٹے کے روزانہ سو ڈرے لگوائے

قیدیوں کے چالان کا طریقہ | پیدلوں کی ڈاک جس طرح بھیجی جاتی تھی۔ اسی طرح سنگین مجرموں کا چالان بھی کیا جاتا تھا

پیدلوں کی ڈاک ہر کارے لے جاتے تھے۔ ہر ایک ہر کارے کے پاس ایک چھڑی دوڑ لمبی ہوتی تھی جس کے سر پر تانبے کے گھنگر و بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ جب شہر کی ڈاک چلتی تو وہ لفافہ پر ایک ہاتھ رکھ لیتا اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی طاقت خرچ کر کے دوڑتا۔ ایک میل میں تین چوکیاں ہر کاروں کی ہوتیں۔ دوسرا ہر کار اس گھنگر کی آواز سن کر تیار ہو جاتا اور لفافہ لے کر دوڑتا۔ اس طرح جہاں کہیں خط پہنچتا ہوتا پہنچا دیتے۔ اور اسی طرح کبھی کبھی سنگین مجرموں کو بھی چار پائی پر لٹا کر چوکی بہ چوکی ہر کار لے جاتے تھے۔

انصاف کا دور دورہ | اس زمانہ میں عدل و انصاف انتہائی عرصہ پر تھا۔ بادشاہ محمد شاہ بھگتہ میں دو دفعہ

پیر اور جمعرات کے دن انصاف رسانی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا۔ اور اس روز اس کے سامنے فقط امیر و حاجب و خاص صاحب، اور سید العجاب اور شرف العجاب چار شخص ہوتے اور سب کو عام اجازت تھی کہ جس کی کو کسی کی شکایت کرنی ہو عرض کرے۔ چار امیروں کو چار دروازوں پر مقرب کیا ہوا تھا کہ وہ مستغیثوں کی شکایتیں قلم بند کریں اور ان میں سے چوتھا ملک فیروز شاہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اگر پہلے دروازہ والا اس کی شکایت بھیجتا تھا تو قبہا ورنہ دوسرے دروازے والے کے پاس جاتا تھا۔ اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے اور چوتھے دروازے

والے کے پاس، اگر وہ کبھی انکار کرتا تو صدر جہاں قاضی القضاہ کے پاس جاتا تھا۔ اگر وہ بھی نہ لکھتا تو بادشاہ کے پاس اسے کسی اجازت ہوتی تھی۔ اگر بادشاہ کو یقین ہو جاتا کہ ان میں کسی کے پاس وہ گیا تھا اور انہوں نے اس کی تسکایت نہیں کی تھی تو ان کو ڈانٹا تھا۔ یہ سب تحریریں بادشاہ عثمان کے بعد خود مطالعہ کیا کرتا تھا۔

بادشاہ بطور قاتل | ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے

ہتھیار کے پیدل قاضی کے محکمہ میں گیا اور وہاں جا کر سلام و تعظیم کی۔ اور قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا کہ جب میں آؤں تو قاضی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو۔ اور کسی طرح کی حرکت نہ کرے۔ بادشاہ محکمہ میں گیا۔ اور قاضی کے سامنے کھڑا ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرے ورنہ قصاص کا حکم ہو گا۔ بادشاہ نے اس کو راضی کر لیا اسی طرح ایک دفعہ کسی مسلمان نے اس پر کچھ مال کا دعویٰ کیا۔ جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اس کا مال دے دے۔ بادشاہ نے اس کا مال دے دیا۔

بادشاہ کے بہتیں لگیں | ایک مرتبہ محمد شاہ سر جھکائے باغ میں ٹہل رہا تھا ایک لڑکا سامنے سے بھاگتا ہوا آیا۔ اور بادشاہ

سے ٹکرا گیا۔ محمد شاہ تعلق غصہ و رنجٹ نکلا۔ اس نے لڑکے کے چند چھڑیاں ماریں اور لڑکا بھی ایک ہی چلتا پرزہ تھا۔ روتا ہوا عدالت میں پہنچا اور بادشاہ کے خلاف استغاثہ دائر کیا۔ قاضی القضاہ نے شہزادہ مبارک خاں کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کو عدالت میں حاضر کرے۔ محمد شاہ تعلق ایک معمولی ملازم کی طرح شہزادہ مبارک خاں کے سپاہیوں کی حراست میں حاضر عدالت کر دیا گیا۔ قاضی القضاہ نے اس سے پوچھا۔ تم نے

اس لڑکے کو چھڑی سے مارا ہے؟

بادشاہ نے جواب اثبات میں دیا۔

اس لڑکے نے تمہاری کوئی خطا کی تھی؟

نہیں! باغ میں دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے ٹکرا گیا۔ اس نے مجھے دیکھا نہیں تھا۔

پھر تم نے کیوں زد و کوب کیا؟

میری غلطی۔

قاضی القضاۃ نے حکم دیا کہ تمہیں ایک دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ کل تک اس لڑکے کو رضامند کرو ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بادشاہ نے بہت کچھ زرو مال دے کر مستغنیث لڑکے کو خوش کرنا چاہا مگر وہ بھی ایک ہی صدمی تھا۔ کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ یہی کہتا رہا کہ میں بادشاہ سے انتقام لوں گا۔

دوسرے دن قاضی القضاۃ اور شہزادہ مبارک خاں کی موجودگی میں محمد شاہ

تغلق بھرے دربار میں کپڑے اتار کر تخت سے نیچے اُتر آیا۔ وہی چھڑی جس سے بادشاہ

نے لڑکے کو مارا تھا۔ قاضی القضاۃ نے لڑکے کے ہاتھ میں دی اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ

نے جتنی قوت سے جتنی چھڑیاں لڑکے کے ماری تھیں اتنی ہی قوت اور اتنی ہی تعداد

میں لڑکا بادشاہ کے جسم پر چھڑیاں مارے۔ چنانچہ اُس لڑکے نے عام امراء سلطنت کے

ساتھ محمد شاہ تغلق کے کہیں بید مارے۔ دوران سزا میں ایک مرتبہ بادشاہ کے

سر سے ٹوپی بھی گر پڑی۔ سزا کے بعد بادشاہ نے دو رکعت نماز شکوہ ادا کی کہ خداوند

کریم نے اُسے جاہ و انصاف پر ثابت قدم رکھا۔ اور دنیا میں اس سے جو غلطی ہوئی

نہی، سب سزا کو دنیا میں مل گئی۔

نماز نہ پڑھنے پر سزا | یہ بادشاہ نماز کے معاملہ میں بہت تاکید کرتا تھا چنانچہ
نہ پڑھتا تھا اس کو سزا دی جاتی تھی۔ ایک روز اس نے نماز

نہ پڑھنے کے جرم میں نواذنی قتل کر ڈالے تھے اس میں سے ایک ڈوم بھی تھا۔ اسی طرح
ایک معزز امیر کے سر بازار نماز نہ پڑھنے کے جرم میں تیس درے لگوائے کہ وہ مغرب
کے وقت سڑک سے گذر رہا تھا۔ اور اذان کی آواز سن کر مسجد میں داخل نہیں ہوا تھا
بادشاہ کا حکم تھا کہ اذان کی آواز سن کر دو کا نداء اپنی دوکانوں کو اسی طرح کھلی چھوڑ کر نماز
پڑھنے چلے جائیں۔ نماز کے وقت زیادہ ہندو سپاہی سڑکوں پر پہرہ دیتے تھے۔

مغرور مولوی کی ڈاڑھی نوحیا | بادشاہ کی طرف سے دیہات میں خواہ دار
مولوی گشت کر کے لوگوں کو دینی مسائل بتاتے

تھے۔ شاہی ملازمین راہ چلتے مسلمانوں کو ٹوک کر ان سے مذہبی سوالات کرتے تھے اور
اگر کوئی شخص جواب نہ دے سکتا تو اسے سزا ملتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہی ملازموں نے
ایک شخص سے شرعی مسائل دریافت کئے وہ جواب نہ دے سکا۔ وجہ پوچھنے پر اس نے
بتایا کہ محلہ میں جو مولوی ہے وہ لوگوں کو مذہبی مسائل بتانے سے بخل کرتا ہے اور جب
اہل محلہ اس کے پاس جاتے ہیں تو انہیں جھٹک کر بھگا دیتا ہے۔ شاہی ملازم اسے
پکڑ کر بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ نے تحقیقات کا حکم دیا تحقیقات پر اس شخص کا
بیان صحیح ثابت ہوا۔ محمد شاہ تغلق نے حکم دیا کہ اہل محلہ اس مغرور مولوی کی ڈاڑھی
کا ایک ایک بال نوحی ڈالیں۔

عام سخاوت | مصنف مسالک الاصباء شیخ مبارک کی زبانی لکھتا ہے کہ
بادشاہ ہر روز دو اجلاس کرتے ہیں۔ ایک صبح کو دوسرا شام کو

اجلاس کے ختم ہونے کے بعد عام دسترخوان بچھاتے ہیں اس پر بیس ہزار کے قریب کھانا کھاتے ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ خاص دسترخوان پر دو سو آدمی جو عالم فاضل ہوتے ہیں کھانا کھاتے ہیں۔ اور اس وقت علی گشتگو ہوتی ہے۔ شیخ ابو بکر بن خلّال بڑی کی زبانی اسی مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے بادشاہی میرسلاں سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ باورچی خانہ کے لئے ڈھائی ہزار ایل اور دو ہزار یکڑی بیٹھڑ ہر روز ذبح ہوتے ہیں۔

قتل گاہ | محمد شاہ بادشاہ نے قتل گاہ شاہی محل کے پہلے دروازہ میں بنا رکھی تھی جہاں جلاد بیٹھے رہا کرتے تھے جب بادشاہ کسی کے مارنے کا حکم دیتا تو وہ محل ہزار ستوں کے سامنے مارے جاتے تھے اور ان کا سر دروازہ کے باہر تین دن تک لٹکایا جاتا تھا۔

یہ بادشاہ مفسد، متفق اور شری باغیوں کی بیخ کنی، دوسروں کے لئے مستعد رہتا تھا چنانچہ دیوان خانہ میں ہر روز سینکڑوں آدمی جولان پہنے حاضر ہوتے تھے جہاں بعض قتل ہوتے بعض کو عذاب دیا جاتا اور بعض کے ساتھ مار پیٹ کی جاتی اور بعض کو ہاتھوں سے مروا دیا جاتا تھا۔

عذاب دینے کے طریقے | بادشاہ نے دو مولویوں کو بدعتی کے الزام میں شہزادہ نہاوندی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص لوگوں کو عذاب دینے کے لئے مقرر تھا۔ اُس نے مولویوں کو سمجھایا کہ بادشاہ تم کو قتل کرنا چاہتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کا اقبال کرو۔ اور اپنی جانوں کو عذاب سے بچاؤ۔ انہوں نے جرم سے انکار کیا تب شہزادہ نہاوندی نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو

کچھ عذاب کا مزہ چکچاؤ۔ چنانچہ وہ جیت لٹائے گئے اور اُن کے سینہ پر ایک گرم لوہے کی سیل رکھی گئی۔ پھر وہ سیل اٹھالی گئی تو تمام سینے کا گوشت اُس کے ساتھ آیا۔ پھر زخموں پر پیشاب اور راکھ ملا کر ڈالی گئی۔ اُس وقت انہوں نے جرم کا اقبال کیا مفتی کے فیصلہ کے مطابق اُن کو قتل کر دیا گیا۔

ہاتھیوں کے رُوند کا طریقہ | اُن ہاتھیوں کے دانتوں پر جن سے آدمیوں کے مارنے کا کام لیا جاتا تھا لوہے کے دندانے

اور خول بڑے بڑے تھے جو ہل کی بھالی کی شکل کے ہوتے تھے جن کے دونوں طرف دھاریں ہوتی تھیں۔ فیلیان ہاتھی پر سوار ہوتا تھا اور جب کسی شخص کو ہاتھی کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا تو ہاتھی اس کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر کی طرف بھینک دیتا تھا۔ اور کبیرا دھڑکا دھڑاپے دانتوں پر لے لیتا تھا اور اپنے سامنے زمین پر ڈال کر اگلا پاؤں اس کے سینے پر رکھتا تھا۔ اگر فیلیان کہتا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دے تو دانتوں سے ٹکڑے کر دیتا تھا۔ اور اگر یہ کہتا کہ اس کو پڑا رہنے دے تو پڑا رہنے دیتا تھا جس کے ٹکڑے کئے جاتے تھے اسکی کھال کھنچو ایجاتی تھی اسی قسم کے ہاتھیوں کے سامنے عین الملک کے ہمراہیوں کے ہاتھ

بڑے بڑے آدمیوں کو ڈالا گیا تھا بعض کو ہاتھیوں نے اپنے آہن پوش دانتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تھے اور بعض کو اوپر اُچھال کر مار ڈالا گیا تھا اسی طرح جلال الدین کے امیروں کی کھال کھنچوائی گئی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ میں جب محل سے مغرب کے بعد نکلا تو کہتے اُن کا گوشت کھا رہے تھے۔ اور اُن کی کھالوں میں مجھ پر بھرا جا رہا تھا۔

دانتوں سے کاٹنے والا انسان | امیر حلا جوں کے بغاوت کے سے
میں لاہور کے باغیوں کی کھال کھینچوائی

گئی اور بعض کو اور طرح قتل کیا گیا۔ یہ کام محمد بن نجیب نائب وزیر کے سپرد کیا۔ اس شخص کو ازور ملک کہتے تھے اور سنگ سلطان اس کا خطاب تھا۔ یہ شخص نہایت ظالم اور سنگدل تھا۔ بادشاہ اس کو بازاری شیر کہتا تھا۔ یہ شخص اکثر مجرموں کو دانتوں سے کاٹا کرتا تھا۔

زندہ کی کھال کھینچنا | سلطان تغلق کا بھانجہ بہاؤ الدین گشتاسپ بغاوت
کے سلسلہ میں جب گرفتار ہوا اور بادشاہ کے سامنے

لایا گیا تو حکم ہوا کہ اس کو حرم سرا سے لے جاؤ۔ وہاں اس کی رشتہ دار عورتوں نے اُس کو برا بھلا کہا اور اس کے منہ پر تھوکا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی زندہ کی کھال کھینچی جائے۔ اور اس کا گوشت چاولوں میں پکوا کر اُس کے گھر بھیجا گیا۔ ایک سینی میں رکھ کر سنی کو دیا گیا۔ اُس نے نہ کھایا۔ اُس کی کھال میں بھوسہ بھروا کر تمام ملک میں پھرایا گیا۔

اندھے اور لولے کی سزا | جب اہل دہلی کے شرارت پسند اور عیث النفس
مکڑی کے لوگوں نے جو بادشاہ کے مخالف تھے

بادشاہ کو پرچوں میں مغلقا گالیاں اور واہیات باتیں لکھ کر مسلسل بھیجا شروع کیں تو بادشاہ ان کا پتہ لگاتے لگاتے تنگ آگیا اور ملزمان کو نہ پکڑ سکا آخر بھنجا کر اُس نے حکم دیا کہ اہل دہلی شہر چھوڑ کر دولت آباد چلے جائیں۔ لوگوں نے انکار کیا تو منادی کی گئی کہ تین دن کے بعد شہر میں کوئی شخص نہ رہے بہت سے لوگوں نے حکم کو مانا اور دولت آباد

چلے گئے۔ بادشاہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ شہر میں جا کر دیکھو کہ کوئی شخص باقی تو نہیں رہا۔ تو ان کو ایک کوچے میں دو آدمی پاسے ایک اندھا اور دوسرا لالہ دونوں کو بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے لوے کو منجھنق سے اڑا دیا اور اندھے کے واسطے حکم دیا کہ اس کو دہلی سے دولت آباد تک جو چالیس دن کا راستہ ہے گھسیٹ کر لے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اُس کا ایک پیر دولت آباد پہنچا جس سے وہ لنگڑا ہو گیا۔

جوگی اور ڈائن کی ہنر اچلا نا | ابن بطوطہ بر دین شہر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُس کے ایک باشندہ نے

اُن کو بتایا کہ شہر کا دروازہ بند ہونے کے بعد ایک شیر اس شہر میں داخل ہو جاتا تھا اور بہت سے آدمیوں کو مار جایا کرتا تھا۔ اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ شہر میں کس طرح داخل ہوتا تھا۔ وہ شیر چارپائی سے بچہ کو بھی اٹھا کر لے جاتا تھا۔ اور جس کو بھاتا تھا صرف اس کا غن پتا تھا اور گوشت کو بالکل نہ چھوڑتا تھا۔

اس شیر کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ شیر نہیں بلکہ آدمی ہوتا ہے۔ جس کو جوگی کہتے ہیں جو شیر کی صورت میں آتا ہے۔ جوگی عجیب و غریب کام کرتے ہیں۔ بعض مہینوں تک نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور بعض ایک غار میں ہیں کھود کر اس پر عمارت بنا دیتے ہیں اور فقط ہوا کے لئے ایک سوراخ رکھتے ہیں اور اُس میں مہینوں تک رہتے ہیں۔ اور یہاں تک لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک برس تک اُس غار میں رہ سکتے ہیں۔ منگاور کے شہر میں میں نے ایک مسلمان کو دیکھا جو جوگیوں کی شاگردی کرتا تھا۔ اور ایک بلند ڈھول میں بیٹھا تھا اور بغیر کھائے پئے رہتا تھا۔

چھپس دن تو اسے ہونچکے تھے۔ میں چلا آیا۔ نہ معلوم وہ کتنے دن تک بھوکا رہا۔ یہ جوگی ایک قسم کی گولیاں تیار کر کے ہر روز کھا لیتے ہیں اس سے ان کو بھوک نہیں لگتی۔ یہ لوگ غیب کی باتوں کی بھی خبر دیتے ہیں۔

ایک روز بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ میں اُن دنوں دارالخلافہ میں تھا میں حاضر ہوا بادشاہ اس وقت خلوت میں تھے اور خاص خاص امیر موجود تھے۔ اور وہ جوگی بھی موجود تھے۔ یہ جوگی رضائی اوٹھے رہتے ہیں اور سر کو بھی ڈھکا رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ راکھ سے سر کے بالوں کو نوچ لیتے ہیں۔ بادشاہ نے مجھ کو بیٹھنے کی اجازت دی میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ شخص بڑے دُور دراز کے ملک سے آیا ہے اس کو کوئی ایسی چیز دکھاؤ جو اس نے پہلے نہ دیکھی ہو۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اُن میں سے ایک جوگی آسن مار کر چوڑی بیٹھ گیا۔ زمین سے بلسر ہوا اُڑھ ہوا میں اُدھر ہو گیا۔ مجھے نہایت تعجب ہوا اور وہم غالب ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ محمد تغلق نے مجھ کو دوایلائی۔ مجھے افاق ہوا میں بیٹھ گیا۔ اور وہ شخص اسی طرح ہوا میں اُڑ بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرے جوگی نے اپنی کھڑاویں ہاتھ میں لیں اور غصہ میں آ کر کئی دفعہ ان کو زمین پر دے دے مارا وہ کھڑاویں ہوا میں چڑھ گئیں اور جوگی ہوا میں بیٹھا ہوا تھا اس کی گردن میں لگنے لگیں۔ وہ تھوڑا تھوڑا اُترتا جاتا تھا اور آخر کار ہمارے پاس آ بیٹھا۔ بادشاہ نے مجھے بتلایا کہ کھڑاویں نہ بھنے والا اُستاد ہے اور ہوا میں اُڑنے والا شاگرد ہے۔ فرید یہ بھی کہا کہ اگر تیری عقل سلب ہوجانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو اس سے زیادہ تماشہ دکھلاتے۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ مجھے

خفقان ہو گیا بیمار پڑ گیا۔ بادشاہ نے ایک شربت بھی اسکے پینے سے میں چھاپوا۔
 لے اس گروہ اور تلاشوں کی تصدیق حسب ذیل واقعات سے بھی ہوئی ہے۔ یہی
 ابن بطوطہ چین میں یہ شعبہ دیکھتا ہے۔

شعبہ بازوؤں میں سے ایک شخص نے کھڑکی کی گیند ہاتھ میں لی اس میں سوراخ
 تھے اور ان سوراخوں میں لمبے لمبے تسمے بندھے ہوئے تھے۔ شعبہ بازوؤں کی گیند کو
 آسمان کی طرف پھینکا۔ گیند نظر سے غائب ہو گئی۔ ہم محل کے چوک میں کھڑے تھے
 گری کا موسم تھا۔ جب اس کے ہاتھ میں تسمے تھوڑے سے باقی رہ گئے تو اس نے
 اپنے شاگرد کو اشارہ کیا وہ تسمے پکڑ کر لٹک گیا اور ہوا میں پڑھنے لگا اور ہماری نظروں
 سے غائب ہو گیا۔ اس نے اپنے شاگرد کو کپارا۔ جب وہ تین دفعہ آواز دینے کے بعد دوبارہ
 تو شعبہ بازوؤں نے غضبناک ہو کر اپنے ہاتھ میں چھری لی اور وہ بھی تسمے کے ساتھ لٹک
 گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا اور اوپر سے پہلے شاگرد کا ہاتھ اُگر گیا اور پھر اس کی ٹانگ
 پھر دوسرا ہاتھ پھر دوسری ٹانگ پھر اس کا دھڑ اور سر اُگرا۔ اور اس کے بعد استاد
 نیچے اُتر آیا۔ وہ تھنوں سے پھنکاریں مار رہا تھا اور اس کے کپڑے خون سے لکھڑے
 ہوتے تھے۔ اس نے اس کے بعد شاگرد کے اعضاء جوڑنے اور ٹھوکریں مار کر شاگرد
 کھڑا ہو گیا۔ قاضی نضر الدین جو ابن بطوطہ کے قریب کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی
 چڑھا نہ اُترا اور نہ کوئی عضو کاٹا گیا۔ یہ سب نظر بندی ہے۔

یہی مانتا ایڈوارڈ ملن (۱۶۷۷ء) نے جاو میں دیکھا۔ اور اسی قسم کی فاشی جاکر
 کو بھی شعبہ بازوؤں نے دکھا کر ایک عجیب شعبہ دکھایا۔

چاس گز لمبی زنجیر لائے اور ہوا میں پھینک دی وہ زنجیر ہوا میں طوق کھڑی ہو گئی

یہ جوگی بعض فقط ترکاری کھاتے ہیں اور بعض گوشت بھی کھاتے ہیں مگر اکثر گوشت نہ کھانے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ریاضت کی وجہ سے اپنے نفس کو طوی کر لیتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت سے اُن کو سروکار نہیں ہوتا۔ اُن میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرف نظر بھر کے دیکھ لیں تو وہ آدمی فوراً مر جاتا ہے عوام الناس کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی نظر سے مچاتا ہے اور اس کا سینہ پیرا جاتا ہے تو اس میں دل نہیں ہوتا۔ نظر والا آدمی اُس کا دل کھالتا ہے۔ یہ کام اکثر عورتیں کرتی ہیں اور ایسی عورتوں کو گفتار کہتے ہیں۔

ڈائن کی شناخت کا طریقہ | ایک روز میرے پاس ایک عورت کو لائے اور کہا کہ یہ ڈائن ہے۔ اس نے اپنے بلبر کے گھروالے کا دل کھالیا ہے اور لڑکا مر گیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کو نائب السلطان کے پاس لے جائیں۔ اس نے آزمائش کا حکم دیا اور اس طرح کہ چار ٹنکے پانی کے بھر کر اس کے چاروں ہاتھوں اور پاؤں پر باندھ دیتے ہیں اور اس کو دریائے جمنا میں ڈال دیتے ہیں اگر وہ نہیں ڈوبتی تو جانتے ہیں کہ وہ ڈائن ہے۔ اور اگر ڈوب جاتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ وہ ڈائن نہیں ہے۔ نائب نے حکم دیا کہ اس کو بھلایا جائے چنانچہ بھلایا گیا اور عورت مرد اس کی راکھ لے گئے۔ اُن کا گمان ہے کہ جو شخص اس

اس کے بعد ایک پتھر لائے وہ پتھر خود بخود زنجیر پر چڑھ گیا اور غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ایک پتھر لائے وہ بھی زنجیر پر چڑھ کر غائب ہو گیا پھر ایک شیر لائے وہ بھی غائب ہو گیا۔ اس کے بعد اور جانور بھی اسی طرح غائب ہو گئے۔ پھر اس زنجیر کو نیچے اتار لیا اور ایک ٹوکڑے میں بکھریا اور اس پتھر اور جانوروں کا کچھ پتہ نہ لگا کہ کہاں گئے۔ (سیر المتاخرین جلد اول ص ۴۳)

راکھ کی وصولی لے لیتا ہے تو وہ اس سال تک ڈائن کی نظر سے محفوظ رہتا ہے۔
طریقہ تشہیر | اس زمانہ میں اگر کسی کی تشہیر کرنی ہوتی تھی تو اس کے درے لگا کر (لاشہ) لاغر گدھے پر سوار کرتے تھے۔ گدھے پر سوار کرنے کو بڑا عیب سمجھا جاتا تھا۔

قرضہ وصول کرنیکا طریقہ | محمد شاہ تعلق کے عہد میں قرضہ وصول کرنیکا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی کا قرضہ کسی بڑے آدمی پر ہوتا اور وہ ادا کرنے سے لاپرواہ ہوتا تو اس کے قرض خواہ بادشاہ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور جب وہ شاہی محل میں داخل ہونے لگتا تو وہ بکارت کر دہائی دینے لگتے تھے۔ اور بادشاہ کے سر کی قسم دلاتے تھے کہ جب تک ہمارا قرضہ ادا نہ کر دے اندر نہ جاتے۔ اس وقت مقروض کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا کہ یا تو اس کا قرضہ ادا کر دے اور یا اس کی خوشامیہ کر کے مہلت لے لے۔ چنانچہ ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا اور بادشاہ کے ہاں ملازم ہوا تو وہ پچیس ہزار دینار کا مقروض ہو گیا تھا۔ اس کے قرض خواہوں کو وہ پچیس ہزار دینار بادشاہ محمد تعلق نے اسی طریقے سے ادا کئے۔
 مادہ کو بولو ابن بطوطہ کا مہمصر لکھتا ہے کہ مصر ملک کا یہ دستور ہے کہ جب مقروض باوجود کئی تقاضوں کے قرضہ ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ اس کے گرد ایک لکیر کھینچ دیتا ہے۔ اس لکیر سے باہر مقروض نہیں نکل سکتا۔ جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دے یا قرض خواہ اس کو مہلت نہ دے۔

عہدہ میرداد | عہدہ میرداد پر قابل و لائق آدمی مقرر ہوتا تھا۔ اس کا

کام یہ ہوتا تھا کہ وہ قاضی کے ساتھ بیٹھتا اور اگر کوئی شخص کسی امیر پر نالش کرتا تو وہ اس کو قاضی کے برابر حاضر کرتا۔ اس کی تنخواہ پچاس ہزار سالانہ دینار مقرر تھی۔ اس دور کے مشہور میر داد ضیاء الدین اور مبارک شاہ تھے۔

سستی ہونا بلا بادشاہ کی اجازت کے ممنوع تھا | محمد شاہ غزنوی کے ملک
محرومہ میں اگر کوئی عورت

سستی ہونا چاہتی تھی تو وہ پہلے اس کی اجازت بادشاہ سے لیتی تھی۔ بلا بادشاہ کی اجازت کے کوئی عورت سستی نہ ہو سکتی تھی۔ بادشاہ درخواست کے آنے کے بعد تحقیقات کرنا تھا کہ عورت کو جبراً تو سستی نہیں کرایا جا رہا ہے۔ اگر اس کو یہ تصدیق ہو جاتا تو وہ سستی ہو سکتی اجازت دے دیتا تھا۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ بادشاہ نے ایک عورت کے جلانے کی اجازت دے دی تھی۔

چور کی سزا موت | اس زمانہ میں طلیعار کے اندر ایک نابیل چرانے پر چور کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اس کے مارنے کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ ایک لکڑی زمین پر گاڑ دی جاتی تھی۔ اس کے سر پر لوہے کی انی ہوتی تھی۔ اس پر ایک تختہ لگایا جاتا تھا اور انی اس کے پار کر دی جاتی تھی۔ پھر اس شخص کو اس تختہ پر لٹایا جاتا تھا۔ انی اس کے پیٹ سے پار ہو کر پشت میں جا نکلتی۔ اس کو عبرت کے لئے وہیں لٹکا دیتے تھے۔

لکڑی کا جیل خانہ | سلطان خدیج سلطان جلال الدین کی بیٹی بہمنہ محمد شاہ غزنوی کے دربار خزانہ الدیپ میں کوئی قیدی نہ تھا اگر بہمنہ قیدی ہوتے تو ان کو لکڑی کے گھروں میں جو سودا گروں کے اسباب رکھنے کے لئے

بنے ہوئے ہوتے تھے اس میں بند کر دیتے تھے۔ اگر ایک قیدی ہوتا تو اس کو کاٹ میں دے دیتے تھے۔

نرناکی سترائنا کرانا | خزانہ ہندی چینی ملک برہمنکار یعنی اراکان کے اس عہد میں مرزائی کو پھانسی کی ستر دی جاتی تھی اور زانیہ عورت کے ساتھ راجہ کے کل غلام مباحثت کرتے تھے کہ وہ مر جاتی پھر اس کو کمندر میں پھینک دینے تھے چنانچہ ابن بطوطہ لکھتے ہیں کہ ایک رات کو جب ہم ان کے بند میں ٹھہرے ہوئے تھے یہ اتفاق ہوا کہ مالک جہاز کے ایک غلام نے جوان لوگوں کے پاس کاروبار کے واسطے آمد و رفت کیا کرتا تھا۔ عورت سے بات چیت کی اور رات کو ایک غار کے پاس وہ دونوں اپنے وعدے کے مطابق ملے عورت کے خاوند کو خبر ہو گئی وہ ان دونوں کو راجہ کے پاس لے گیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس غلام کے ٹھسے کاٹ ڈالو اور اس کو پھانسی دے دو اور عورت کے واسطے حکم دیا کہ اس کے ساتھ سب حاضرین جماع کریں۔ حتیٰ کہ وہ مر گئی۔

دشتیناک سترائوں کی منسوخی | فیروز شاہ تغلق نے تخت پر بیٹھتے ہی تہلم و خشتناک سترائوں کی منسوخی کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تصنیف فتوحات فیروز شاہی میں ان سترائوں کے بارے میں لکھتا ہے :-

پرانے وقت میں خفیف جرم پر بھی شدید سزائیں دی جاتی تھیں اور بے گناہوں کا خون بہایا جاتا تھا اور دوسرے دشتناک غلاب یعنی ہاتھ پاؤں ناک کاٹ ڈالنا، آنکھوں سے اندھا کرنا، ہڈیوں کو

میخ کو ب سے توڑنا، زندہ آگ میں جلانا۔ لوہے کی میخیں ہاتھ پیر میں تھکنا۔ کھال کھینچنا۔ پیر کا ٹنا جسم کو دو پارہ کر دینا۔ اسی طرح اور بہت سی سیاست کی ناقابل برداشت سزاؤں کا دنیا۔ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا خدائے قائلے نے مجھے توفیق دی کہ میں نے اس طرح کی تمام سزاؤں کو منسوخ کر دیا۔

یہ بادشاہ ہمیشہ مجھ تعلق کی سختیوں کو ناسف کی نگاہ سے دیکھتا تھا اس نے نفاذی مافات کرنے اور مرحوم کی روح کو ایصال ثواب اور مواخذہ عقوبت سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے حقوق العباد کو مد نظر رکھنے ہوئے لوگوں کے نجی وطن کو خنک کیا جن جن کے ہاتھ پاؤں اور ناکس کٹوائی تھیں یا انکے میں نکلوائی تھیں سب کو دے دلا کر استقامت اور دجوتی کی اور ان کے تحریری معافی نامے صندوق میں رکھ کر محمد شاہ تعلق کے سرانے دفن کرا دیے۔

قوائے تاتار خانیمہ | فیروز شاہ کے عہد سلطنت کے لئے قانون مرتب ہوئے۔ قوائے تاتار خانیمہ تیار ہوئی۔ یہ کتاب فقہ کی تخی جو دراصل بخارا کی حنفی فقہ کا عکس ہے (مولانا عبد اللہ شمس آبادی)

سنگین مجرموں کی رہائی | علاؤ الدین بہمنی نے ۱۳۵۷ء میں دولت آباد میں مرض الموت کے زمانہ میں حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے قیدی یکبارگی رہا کر دیے جائیں اگر ان قیدیوں میں کوئی شخص کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نظر بند کیا گیا ہے تو وہ جلد حسن آباد گلبرگ پہنچا دیا جائے شاہی فرمان کے مطابق ہر جہاں طرف سے اس قسم کے قیدی جو کسی بڑے جرم کے

مراخذہ میں پایہ تبعخیر تھے۔ اسی قید کی حالت میں دارالحکومت کے اندر جمع ہونے لگے۔ انصاف پرور بادشاہ نے اسی وقت ان کے قصور معاف کر کے سب کو آزاد کر دیا۔ قیدیوں میں صرف سات ایسے مجرم کی رہائی ملک کے لئے باعث آزار تھی اسی طرح پایہ تبعخیر رکھے گئے۔ بادشاہ نے ان قیدیوں کو شاہزادہ محمد کے سپرد کیا اور کہا میرے بعد ملک کی مصیحتوں کا خیال کر کے ان مجرموں کے ساتھ مناسب برتاؤ کرنا۔

تیس ہزار چوبیس کا قتل | محمد شاہ ہنہی (۱۳۶۶ء) نے ان چورزوں اور قزاقوں کو جو اپنے پیشینہ میں مشہور آفاق تھے اور جنہوں نے مسافروں اور راہ گروں کے قتل و غارت کرنے پر کمر باندھی تھی نیست و نابود کرنے کا قطعی ارادہ کر لیا اور اپنے ملک کے چاروں طرفداروں کے نام فرمان صادر کئے کہ ہر حاکم اپنے حدود ملک کو ان ظالموں کے وجود سے پاک کر دے۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ اس فرقہ کے سرخود و بزرگ کا سر قلم کر کے دوسروں کی عبرت کے لئے پائے خلافت کو روانہ کیا جائے۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق ہر طرفدار نے قزاقوں کے عمار وادی پر حملہ کر کے چھ یا سات ہیندہ کے عرصہ میں اس جماعت کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ ملا داؤد بیدروی لکھتے ہیں کہ چھ ہیندہ کے اندر تقریباً تیس ہزار چوروں اور راہزنیوں کے سر چاروں طرف سے حصار آباد گلگرد و انہ کے گئے شہر کے باہر ان سروں کے چوتھرے بنائے گئے۔

۱۳۹۰ء کا عہد تمام عہدوں سے زیادہ انسانوں کو آسے سے چروانا | خطرناک عہد تھا اس میں قطع نظر پاؤں یا ناگ کوڑانے کے اور آنکھیں نکوانے، ہڈیوں کو ستھوڑے سے کٹوانے اور ہاتھ پیروں کو

چومچہ کرانے یا زندہ کھال کھینچوانے کے اکثر مجرموں کو زندہ جلایا یا آرے سے چروہا جاتا تھا۔

محمود شاہ کا قید خانہ | محمود شاہ بہمنی نے ابتدائی زمانہ میں مسند عالی خان محمد کو باعث فتنہ سمجھ کر ساغر کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں انہوں نے تھوڑے دنوں میں وفات پائی۔

سرکاری ماہوار کے لالچ میں آنکھیں پھوڑ لیں | محمود شاہ بڑا اہل اور کم آزار فرمانروا

تھا۔ حسن اخلاق اور عدالت اس کا شعار تھا۔ اس کے زمانہ میں ملک کے تمام اندھوں کو روزیہ متین کئے گئے۔ اندھوں کی اس امداد نے بہت سے آنکھوں والوں کو بھی نور بصارت سے نیراز کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنی آنکھیں پھروا ڈالیں اور یہ خود آزار سرکاری ماہوار پر زندگی بسر کرنے لگے۔

عمارت کے داخلہ پر سزا سننے | سلطان غیاث الدین نے ایک ایسی خوبصورت عمارت تعمیر کرائی اگر کوئی مجرم اس میں داخل ہو جاتا تو باز پرس و سزا کی مصیبت سے نجات پا جاتا تھا

بھکاریوں کی سزا | سلطان علاؤ الدین بہمنی ثانی نے سزا کلمہ عین فقیروں اور دریوزہ گروں کے عملے میں لوہے کا طوق ڈالا اور انہیں غلاقت صاف کرنے اور مٹی اٹھانے اور دوسری شدید محنت کے کاموں پر مقرر کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اس محنت کی وجہ سے بیکاری کے پیشہ سے باز آکر یا کسب معاش کریں یا بہمنی دائرہ حکومت سے نکل جائیں۔

سلطان زین العابدین بن سکندر شاہ بہت شکنجہ
۸۴۳ھ میں ۱۲۴۳ء کا قاعدہ تھا کہ وہ

چوروں سے عمار تعمیر کرانا

چوروں کو نہ تیغ نہ کرتا تھا۔ بلکہ جب ایسے لوگ گرفتار ہو کر آتے تو بادشاہ انہیں
پابندِ بنجر کر کے حکم دیتا کہ تعمیرِ عمارت میں پتھر اور مٹی ڈھوئیں اور ہر دوروں کا کام کریں
مگر کوئی شخص باوجود منع کرنے

شرابیوں کے گلے میں بگھلا ہوا سببہ ڈالا جانا

کے گرد بھگتنا تو زین العابدین کے دور میں سببہ لگا کر اس کے حلق میں ڈالا جاتا تھا
اس قسم کی سزا سے کوئی زندہ نہ بچتا۔

۱۲۵۷ء میں بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں
کی ولادت سے قبل ہمایوں شاہ بھنی تخت

سات ہزار قیدیوں کا جیل خانہ

نشین ہوا۔ اس نے شاہ حبیب اللہ کو شاہزادہ حسن خاں کی دوستی میں قید کر دیا۔ ان کے
سات مریدیوں نے بالاتفاق اپنے مرشد کی رہائی پر یکسر تہمت باندھی اور یوسف ترک کچل کی
جو سلطان علاؤ الدین کا غلام تھا دامن میں پناہ لی۔ یوسف ترک بھی اس خاندان کا مرید تھا
وہ ان لوگوں کے ساتھ ایک ایک زبان ہو گیا اور اس نے کوتوال اور محافظوں کو
بلا دیا۔ اس طرح بارہ سوار اور چالیس پیادے فدائی تیار ہو گئے۔ باوجود اس کے اس وقت
تین ہزار پیادے پایہ تخت کی محافظت میں موجود تھے۔

یوسف کے ہمراہ فدائیوں کا گروہ توکل پرشام کے قریب احمد آباد بدیر باؤنٹا ہی
محل میں جہاں قید خانہ تھا آیا چونکہ محافظ اکثر اپنے کام میں مصروف تھے اور تھوڑے دربان
جو وہاں تھے انہوں نے منع کیا۔ یوسف ترک نے کہا میرے پاس شہری فرماں ہے۔

کہ قید خانہ میں جا کر فلاں فلاں مجرموں کی آنکھیں نکالوں۔ اس نے سرخ رنگ کا شاہی فرمانوں کی طرح کا فرمان بھی دکھایا۔ محافظ خاموش ہو گئے۔ ادیوسف پہلے دروازہ سے نکلا اور دوسرے دروازہ پر پہنچا۔ اس دروازے کے دربانوں نے اسے اندر آنے سے روکا چنانچہ یوسف نے اس گروہ کے سرداروں کا سر قلم کیا اور قلعہ کے اندر داخل ہوا اور جب پہلے زنداں کے اُس حصہ میں گیا جہاں شاہی ریک نظر بند تھے اُس نے شاہ حبیب اللہ کی زنجیر قید توڑ ڈالی۔ یہ حال دیکھ کر شہزادہ کملی خاں و حسن خاں بن سلطان علاؤ الدین و جلال الدین بخاری نے بھی عساجری کے ساتھ ان سے درخواست کی کہ اُنکی زنجیر قید بھی توڑ دے یوسف نے ان لوگوں کو بھی قید سے رہا کیا اور اس کے بعد دوسرے زندانیوں سے جو دارالامارت کے پاس قید تھے کہا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دے اپنی بچھڑ توڑ کر باہر نکلے اور تخت گاہ کے دروازے کے پاس ہم سے مل جائے۔ جہاں یوسف ترک ایک پہرات تک کھڑا رہا۔ اور زندانی جن میں علماء، فضلاء، سادات فقرا و اہل ہر ہر طبقہ کے آدمی شامل تھے کل سات ہزار تھے۔ اس وقت کو بڑی نعمت سمجھے اور دیکھوں کہ گردن سے دھکڑے کر قید خانہ سے باہر نکل آئے اور یوسف کے قریب جمع ہو گئے۔

کو تو اَلْاَعْقُوْطُ کُرْ اِس کو کھلا بایا | اِس واقعہ کی خبر جب ہمایوں بھیجی گئی تو اس نے تین ہزار سپاہیوں کو جو شہر کی

محافظت پر مقرر تھے طرح طرح کے غذاب سے قتل کیا اور کوتوال کو لوہے کے قفس میں قید کر کے ہر عضو اس کا ایک دن کاٹا اور اس کو کھلاتا تھا اور شہر میں اس کی شہیر کی جاتی تھی۔

اِنْسَانِی لاشوں کو جوش دینا | یوسف کے گروہ سے پاس لشکر کے گروہ کے گروہ کثرت سے ساتھ آنے لگے چنانچہ اُس کے پاس

تین ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادوں کی جمعیت ہو گئی تو ہایوں بھنی کی فوج سے میرے جنگل میں لڑائی ہوئی ہایوں نے شکست کھائی۔ دوبارہ جنگ ہوئی۔ یوسف کا گروہ بھاگ نکلا اور بیجا نگر پہنچا۔ وہاں سراج خاں کو قتل کرنے کے ساتھ دغا کی اور ان کو کٹر کر ہایوں بھنی کے پاس بھیج دیا۔ ہایوں نے حکم دیا کہ بیدر کے بازار میں دار اور طبقے نصیب کئے جائیں اور بجا مست ہاکھی اور تمام اقسام کے درندے کھڑے کئے جائیں۔ اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر گرم پانی اور جلتے ہوئے تیل کے قرا بے بھرے ہوئے تیار ہیں۔ شاہی حکم کی تعمیل کی گئی۔

بادشاہ نے سب سے پہلے شاہزادہ جن اپنے بھائی کو شیر کے سامنے چنوا دیا درندے نے شاہزادہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس کے بعد یوسف ترک اور ساتوں ہمراہی تہ تیغ کئے گئے۔ بادشاہ نے ان کے متعلقین اور متوسلین کو جو تقریباً سات سو تھے دیگوں میں ڈال کر جو شش دلو کر اور بعضوں کا جسم کھڑے ٹکڑے کر دیا اور واطلا۔

۱۵۱۰ء میں عادل شاہ کے عہد میں پرتگالی پیادوں کا زندہ جلانا

دوبارہ یورپ سے تازہ دم فوج مع جہازوں کے لے کر آ گئے۔ بڑی خونریز لڑائی کے بعد فواج بیجا پور کو بندر گو آئے نکال باہر کیا۔ لو کرک نے اپنی فوج کو آدن علم دے دیا کہ وہ مرد عورت حتی کہ بچوں تک کو جو جہاں ملے تلوار کے گھاٹ اتار دو ایسے سفاکانہ اور ظالمانہ قتل تاریخ میں مشکل ہو صحیح معنوں میں خون کی ندیاں بہائی گئی تھیں۔

پادریوں نے باسٹندوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت شروع کی۔ اور ایک دن ان کو اداسے فرض سے جا برانہ طریقے سے روکا۔ مسجدوں کو مسما کر دیا

ان کو بیکر قیدیں ڈالا، مظالم کئے، اور وہ پھر بھی باز نہ آئے اور اپنے مذہب سے منہرت نہ ہوئے تو ان کو مروا ڈالا۔

فدیر نامی سیاح گواہ کے ہو کنگ مظالم کا چشم دید حال لکھتا ہے کہ:-
میں ایک دن صبح کو اس مظالم پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دارالقضا بنا ہوا تھا۔ دارالقضا
کیا تھا مقل تھا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری اونچا اجنہ سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا
تھا جس پر ایک چھج لگا ہوا تھا۔ اجنہ پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں سکونر پٹرو
کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے مندر پہنچنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک بڑا شہسیر بلندی پر لگا ہوا ہے
اس پر کھنچ کر انسان کو بڑھاتے تھے اور وہاں سے اُسے گرا دیتے تھے جس کے صدمہ سے
اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں۔ وہیں قریب میں اوپر کو دار کو ایک غریب تھا
جہاں پادری کے فتوے کے مطابق لوگوں کو زندہ آگ میں جلا دیتے تھے جس کے
لئے یہ مندر تجویز ہوتی تھی ان کو دارالقضا سے بچنے اور شیطان کا خوف نکالنا پس پہنا کر
لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کر دیتے تھے۔ بازار میں سوائے سور کے گوشت کے
کسی دوسرے گوشت کے کاٹنے کی ممانعت نہیں تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے
لئے ایک غضب کا سامنا تھا۔ ایک اور سیاح لنسن کو سن ۱۵۵۳ء سے ۱۵۸۹ء

تک ہندوستان میں رہا ہے وہ بھی ان پادریوں کے مظالم کی تائید کرتا ہے کہ
عادل شاہی دور میں شرع محمدی کے مطابق
مجرم کو سزا دی جاتی تھی۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا

عادل شاہی سزائیں

تھا۔ زانی کی سزا سنگسار کر کے مار ڈالنا تھی۔ شرابیوں کے اسی درے لگائے
جاتے تھے۔ جو کوئی کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس سے جان کا قصاص لیا جاتا تھا اور

پھانسی کی سزا دی جاتی تھی مقتولین کے عزیز اگر قاتل کو معاف کر دیتے تھے تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس دور میں قیدیوں کو خوراک سرکار سے دی جاتی تھی۔

سکندر لودھی کا قید خانہ | سکندر لودھی ۱۳۸۸ھ کے حکم کے مطابق امرار نے جلال خاں اور شیر خاں کو قید کر کے ہنوت گڑھ کے قلعہ میں قید کروایا یہی بادشاہ عید کے دن ان قیدیوں کو جو باقی داری کی علت میں قید ہونے لگے تھے۔ رہا کر دیتا تھا۔

پان کی پیک سموت | محمود شاہ ۱۵۳۱ھ کے خاصہ کہانے میں اکثر مہک زہر سنکھیا کثرت سے ہوتا تھا اور تمام بدن اس کا ایسا زہر ملا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی لکھی اس کے جسم پر بیٹھتی تو وہ معامردہ ہو کر زمین پر گر جاتی۔ جن بڑے لوگوں کا اس کو قتل کرنا منظور ہوتا تھا وہ ان پر صرف پان کھا کر تھوک دیتا تھا۔

قاضی اور محتسب کے عہد پر عورتوں کا تقرر | سلطان غیاث الدین بن سلطان محمود غزنوی ۶۲۹ھ

کی حرم ہر امین کنیزان، سازندہ و رفاص و صاحب جمال بے شمار جمع ہو گئیں چونکہ ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تھا لہذا قلیل مدت میں قریب دس ہزار کنیزیں اور دختران راجہ اس کے محل میں جمع ہو گئیں۔ دختران راجہ و امراء کو مناصب مرحمت کر کے بیرون حرم کے مطابق قصر شاہی میں بھی عہدے و مدارج مقرر کئے۔ بادشاہ نے ان مستورات میں سے بعض کو وکیل، وزیر، دبیر، مشرف، سردار، نوایندہ و منجم مقرر کیا اور بعض کو صدر، مدرس، حکیم، ندیم، محتسب

مفتی، مؤذن، اور قاضی کے عہدوں پر مامور کیا۔

سلطان بہادر بن مظفر شاہ گجراتی ۱۵۲۷ء نے
قاتلوں کو توپ سے اڑانا
 سلطان سکندر کے تین قاتلوں کو گرفتار کر لیا۔ اور
 توپ سے اڑا دیا۔

ہمایوں نے محمد زمان کو گرفتار کر کے یادگار بیگ چٹائی کے
ہمایوں کا قید خانہ
 سپرد کیا اور حکم دیا کہ اسے قطعہ بیانہ میں نظر بند رکھے۔
 چنانچہ اس کو نظر بند کیا گیا۔ وہ محافظین سے سازش کر کے فرار ہو گیا۔

ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے۔ جنت آباد
زہر کے حوض کا جیل خانہ
 پرانا شہر ہے۔ یہ نیگال کا پایہ تخت تھا۔ ہمایوں بادشاہ
 نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ اس شہر کے شمال میں ایک کوس کے فاصلہ پر ایک
 عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے۔ اس حوض کو مایا پریاس
 باڑی کہتے ہیں۔ جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا اس کو وہاں قید رکھتے تھے۔
 جو یہ پانی پی پی کر تھوڑے دنوں میں مر جاتے تھے۔

نیر شاہی (۱۵۲۷ء) عہد الیسا پرامن تھا کہ جنگل کے مسافر
پیرامن عہد
 بے کھٹکے اپنا اسباب سرہانے رکھ کر آنام و اطمینان سے
 رات بھر سوتے تھے۔ بلکہ یہاں تک ہوتا تھا کہ اگر ایک بڑھیا بھی روپے اور اشرفیوں کا
 گھڑا جنگل میں اپنے پاس رکھ کر سوئی تو اسے بھی پاسبان کی حاجت نہ ہوتی۔

نیر شاہ نے ہر ایک سرے کے دروازے دو بنائے تھے ایک دروازہ
 پر پکا کھانا مسلمانوں کو اور دوسرے دروازہ پر ہندوؤں کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ کہ

مسافروں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو۔ اس منصف مزاج بادشاہ کے دورِ حکمرانی میں یہ بات یا گاؤں میں پنچایتیں قائم تھیں۔ محکمہ ڈاک، محکمہ خیر سرائی اور محکمہ پولیس کا بھی بہت اعلیٰ انتظام تھا۔ ظالم حاکم اور رشوت خوروں کو سخت سزائیں دیتا تھا۔ اگر کسی گاؤں میں چوری یا داکہ یا اور کوئی واردات ہوتی تو اس گاؤں کے نمبر دار کو اس کا سرائع لگانا پڑتا تھا۔ اور ملزم کو پکڑ کر حکومت کے سامنے پیش کرنا پڑتا تھا ورنہ اس جرم کی سزا اسے بھگتنا پڑتی تھی۔ اس طریقہ سے ملک میں چوری اور رہبرنی کا نام و نشان تک نہ رہا تھا۔ اس کی حکومت عدل و انصاف کی حکومت تھی۔ امیر و غریب سب کے لئے ایک ہی قانون تھا۔

جیل خانہ قلعہ گوالیار | سلیم شاہ (۱۵۴۵ء) نے قطب خاں کو اپنے بہنوئی کسٹھباز خاں لوغانی اور چند دوسرے مجرموں کے ساتھ جو کل چودہ اشخاص تھے قید کر کے گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا۔

قبیلہ کوگھر میں بند کر کے جلا دیا | اس بادشاہ نے پنجابی اہلکار کوگھروں کی تباہی پر مامور کیا۔ اور قیدی کھکھروں کے بارے میں حکم دیا کہ تمام اسیروں کو گھر میں بند کر کے آگ سے اڑا دیں۔ چنانچہ تمام قبیلہ اسی طرح ایک گھر میں ہلاک کیا گیا۔

اکبر کا عدل | اکبر (۱۵۵۶ء) کے عہد کی عدالتیں موجودہ زمانہ کی کننگال بنانے والی اور مدتِ مدید میں فیصلہ کرنے والی عدالتیں نہ ہوتی تھیں۔ ان عدالتوں کے فیصلے جلد ہو جاتے تھے اور کچھ خرچ بھی نہ ہوتا تھا۔ سزا فوراً دی جاتی تھی۔ قاضی مقدمہ کرتا تھا اور میر عدل فیصلہ سنا تا تھا۔ اکبر کے

زمانہ کے مشہور عادل سید محمد میر عدل تھے اور قاضی القضاہ عبدالسمیع میاں کالی تھے اور دیگر مشہور قاضی قاضی صدر الدین، قاضی علی بغدادی، قاضی جلال الدین، قاضی ابراہیم قاضی حسن وغیرہ تھے۔ جو شریعت مقدسہ کے ماتحت مقدمات کی تفتیش کرتے تھے۔

شروع میں ہندوؤں کے جائداد اور وراثت وغیرہ کے فیصلے نچایت کے ذریعہ طے ہوتے تھے۔ مگر جب وہ سرکاری حاکموں کے سامنے جاتے تو ہندو رسم و رواج کا خیال رکھا جاتا تھا۔ ۹۹۹ھ میں ہندوؤں کے مقدمات کے لئے برہمن مقرر ہوئے۔ جو شاستر کے مطابق فیصلے دیتے تھے۔ قانون فوجداری ہندو مسلمانوں کے لئے ایک تھا۔ پھانسی کی سزا کم دی جاتی تھی۔ سزائے موت میں ہاتھ پاؤں نہیں کٹوائے جاتے تھے اور نہ کوئی ظلم کیا جاتا تھا۔

سخت سزائوں کا انسداد | اکبر سخت سزائوں اور ظالمانہ طریقہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا نہ تھا بلکہ ان کا سخت مخالف

تھا۔ چنانچہ ابو الفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ حنفی آباد کے پاس بیاس باڑی حوض میں جہاں قیدیوں کو زیرِ بلا پانی پلا کر مار ڈالا کرتے تھے اس میں اسبیر نے قیدیوں کو رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔

اسی طرح جب اکبر نے سنا کہ جاگیر نے زندہ انسانوں کی کھال کھینچائی ہے تو سن کر رُپ گیا۔ اور کہا اللہ اللہ شیخو جی ہم تو بکری کی کھال بھی اترتے نہیں دیکھ سکتے تم نے یہ سنگدل کی کہاں سے سیکھی۔

کچھ عرصہ کے بعد اکبر نے کوئٹہ شہر کو دار پر چڑھانے کے لئے منع کر دیا تھا

اور تمام ممالک محروسہ میں اس قسم کے حکم بھیج دے تھے کہ کوئی مجرم داپرنہ چڑھایا جائے۔ اور نہ سلاطین کبار کی طرح ملزموں کی کھال کھینچی جائے۔ نہ ملزموں کو ہاتھ پوں کے سامنے ڈالا جائے۔ (ابوالفضل دفتر اول ص ۱۴)

قطع و برید اعضا کی سزا | لیکن اس کے باوجود اس دور میں قطع و برید اعضا کی سزا نافذ تھی۔ چنانچہ جو

شاہی احکام سپہ سالاروں کو بھیجے جاتے تھے اس میں ان کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ اگر فتنہ پردہ گردہ دل پسند نصیحتوں سے قابو میں نہ آئے تو سختی سے کام لیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو سخت کلائی، ڈرانے دھمکانے یا سزا دینے اور قید کرنے اور ان کے اعضائے بدن کاٹنے میں بھی تامل نہ کرے۔ لیکن اس کے ساتھ جان لینے میں حتی الامکان بے حد محتاط رہے۔ چنانچہ جو فیلیپین جانوروں کو مٹی میں لانے کے لئے دوائیں کھلاتے تھے اور جانور اس طرح ہلاک ہو جاتے تھے تو مجرم فیلیپین کو قتل یا ہاتھ کاٹنے یا اس کو بردہ کی طرح فروخت کر ڈالتے تھے۔

میر عدل اور قاضی | اگرچہ حکومت اور ملک و رعایا کی خبر گیری کرنا ضعف فرمانروایان عالم کا فریضہ اور ان کا منصب ہوتا ہے

لیکن چونکہ یہ امر ایک شخص کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمام سرشتوں کی نگرانی کر سکے اس لئے اکبر اپنے خاص قاضیوں کو میر عدل اور قاضی کی خدمت پر مامور کر دیتا تھا کہ وہ عدل و انصاف کے ذریعہ رعایا کے حقوق کی حفاظت کریں۔

کوٹوال | اس عہدے کے لئے وہ شخص موزوں سمجھا جاتا تھا جو جسری تجربہ کار، ہوشیار، مستعد، بردبار، معاملہ فہم اور نیک فصال ہو۔

اس کی ہوشیاری اور شب گشت سے رعایا آرام و آسائش کی نیند سوتی اور بد اطوار افراد نیست و نابود ہوتے تھے۔ کوتوال کے بعض فرائض یہ بھی تھے۔ کہ

مسرتہ مال کا ذمہ دار کوتوال | وہ چوروں کو گرفتار کرے اور مال مسرتہ
برآمد کرے ملک کے سپرد کرے یا اسکے

نقصان کا ذمہ دار ہو۔ اور اس بات کا لحاظ رکھے کہ دولت مند افراد اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ نہ خریدیں۔ اور ان ترازو کی صحت پر پوری توجہ دے اور سیر کو تیس دام سے کم و بیش نہ ہونے دے۔

شراب کی خرید و فروخت ممنوع | رعایا کو سر بازار شراب بنانے
یا اس کے ناپ تول کرنے یا

اس کے خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کوتوال کا فرض تھا کہ جہاں اس قسم کی خلاف قانون حرکت دیکھے منع کرے۔ شراب کو دوائی کے طور پر پینے کی اجازت تھی۔ ہاں بدستی کے استعمال پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ جسے ضرورت ہوتی وہ جبر میں اپنا، باپ، دادا کا نام لکھواتا۔ قومیت وغیرہ لکھوائی جاتی۔ فرضی نام بھی چلتے جس پر دارالقضا سے سرکوبی ہوتی خواجہ خاتون دربان اسکا داروغہ تھا

ملنگوں کا شہر بدر کرنا | ملنگوں اور قلندروں نیز ریا کار سوداگروں کو
یا تو شہر بدر کیا جاتا یا ان کو بد احوال سے باز رکھنے

کی سہی کی جاتی۔ لیکن اس امر کا لحاظ رکھا جاتا کہ اس فعل سے خدا پرست اور گنہگارین اور تارک الدنیا لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے اور وہ آزر و غاظر نہ ہونے پائیں۔

قصاب سے میل کرنے پر پابندی | قصاب، قیاد، غسال۔ اور مہتروں کو

علحدہ محلوں میں بسایا جاتا اور دوسرے کو ان سنگدل انخاص سے میل جول نہ رکھنے کی ہدایت تھی۔ اور مقلق شہر کے باہر تباہ کیا جاتا تھا۔

جانور ذبح کرنے پر سزا | کو تو ال ریایا کو اس امر کی ہدایت کرتا تھا کہ بیل بھینسا، گھوڑا اور اونٹ ذبح نہ کئے جائیں

یکم فروردین سے انیس ماہ مذکور تک احادیث کے تمام ماہ میں اور ہر مہسی ماہ کی پہلی اور سولہویں تاریخ الہی تیوہاروں کے دن اور جانور سورج گرہن کے ایام میں نیز ہر اتوار کو جانور ذبح نہ ہونے دینا۔ لیکن شکار گاہ یا حالت مرض میں بلحاظ ضرورت ان ایام میں گوشت خوری کو جائز رکھتا۔ جو ان ممنوعہ ایام میں جانور ذبح کرتا، سزا پاتا۔ جو مانے بھرتا۔ گھر لٹ جاتے۔

جلاد سے قطع تعلق | پچاسی جلاد سے دلوائی جاتی تھی۔ جلاد کے ساتھ جو کھاتا اس کا ہاتھ کٹوا دیا جاتا تھا۔ جو اس کے برتن میں کھاتا اس کی ایک آنکھ کٹوا دی جاتی تھی۔

ختنہ پر پابندی | مسلمانوں کو تاکید تھی کہ بارہ برس تک ختنہ نہ کرو۔ اس عمر کے ہونے کے بعد لڑکے کو اختیار تھا کہ وہ چاہے تو ختنہ کرے یا نہ کرے۔

دوٹھا و طہن کا کوتوالی میں بکھینا | اس عہد میں حکام کے بے اطلاع کے کوئی شادی نہ ہوتی تھی علوم الناس کی شادی ہوتی تو دوٹھا و طہن کا کوتوالی میں دکھانا ضروری تھا۔ عورت بارہ برس مرد سے بڑی ہو تو اس کا نکاح اس سے نہیں ہو سکتا تھا۔ چچا اور ماموں کی لڑکی سے

شادی ممنوع تھی۔ ان ملازمین کو جو نوشہ کے خاندانی حالات اور عروس کی شکل و صورت و خاندانی وجاہت اور اس کے مزاج کے متعلق معلومات کرتے تھے ان کو توئی بگی کہتے تھے۔ بادشاہ اس دریافت حال کے معاوضہ میں بطور نذر شکر یہ ایک ٹیم مہل فرماتے۔ اس رقم کا ادا کرنا مبارک خیال کیا جاتا تھا۔

بدچلن عورتیں | جو عورتیں بازار میں کھلم کھلا بے برفہ بے گھونٹ پھرتی نظر آتی تھیں یا ہمیشہ خاوند سے دنگا فساد کرتی تھیں ان کو شیطان پورہ میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ یہ فرمان تمام ممالک محروسہ کے کارکنان کو بھیج دیا گیا تھا۔

شیطان پورہ | رنڈیوں کو دار الخلافہ میں شہر کے باہر ایک جگہ آباد کیا گیا تھا جس کا نام شیطان پورہ رکھا گیا۔ اس کے لئے قانون بنے داروغہ منشی، چوکیدار مقرر ہوئے۔ جو کسی رنڈی کے پاس آکر رہتا یا گھر لے جاتا وہ اپنا نام کتاب میں لکھواتا۔ بلا اس کے کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ رنڈیاں نئی نوچی کو نہیں بٹھا سکتی تھیں۔ ہاں کوئی امیر چاہے تو حضور میں اطلاع دے پھر لے جاتے پھر بھی اندر ہی اندر کام ہو جاتے تھے۔ پتہ لگ جاتا تو اس رنڈی کو الگ بلاتے اور پوچھتے وہ بتا دیتی تو امیر کو خلوت میں بلاتے اور لعنت ملامت کرتے بلکہ بعضوں کو قید بھی کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کی بڑی احتیاط تھی کہ امرا میں سے کوئی وہاں نہ جانے پاتے۔ چنانچہ جب بادشاہ نے سیر کے بارے میں سنا تو ناسف کیا۔ سیر پر بھی بہت مادم ہوئے۔ اور کہا میں تو اب جوگی ہو کر نکل جاؤں گا۔

صدق و کذب کا امتحان | قسم کھانے کی جب مٹی پلید ہو گئی اور دیکھا کہ

گاجو مولیٰ کی طرح لوگ تمیں کھاتے ہیں تو کمرنے اس کو بند کیا۔ اور اس کے لئے حکم دیا کہ لوہا گرم کر کے رکھ رکھ کھولتے تیل میں ہاتھ ڈالو بل جائے تو چھوٹا۔ لیکن آخر زمانہ میں اکبر نے یہ طریقہ بھی بند کر دیا تھا۔ ہندوؤں کے حلف اور قسم کے آٹھ طریقے تھے۔

(۱) اس شخص کا پہلے وزن کیا جاتا تھا
حلف اور قسم کے آٹھ طریقے | کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا کتنا وزن

ہے۔ وزن کرنے کے بعد خدا کی عبادت کی جاتی اور فسوں پڑھ کر اس شخص کو دوبا توالتے۔ اگر تہ زیادہ ہو جاتا تھا تو اس کو صادق القول سمجھتے تھے۔ یہ حلف صرف برہمن سے لیا جاتا تھا۔ (۲) سات مقام پر دائرہ کھینچتے اور ہر ایک دائرہ کا فاصلہ ایک دھڑکے سے سولہ انگشت کم نہ ہوتا تھا۔ دائرہ کھینچنے کے بعد غسل کرایا جاتا۔ عبادت ہوتی اور مشرو و فسوں پڑھ کر اپنے ہاتھوں کو وہاں کی بھونی سے ملتا اور سات سپیریل کے پتے اپنے ہاتھوں پر رکھ کر پیل کے پتے اور ہاتھ کو سات مرتبہ پکے تاغے سے لپیٹ لیتا تب یہ گرم لوہا ان پتوں پر رکھ دیا جاتا تھا اور لزم اس گرم لوہے کو وہ پتوں کے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اس صورت سے چٹا کہ ہر قدم اس کا آپس دھڑکے میں پڑتا۔ اور آخری دائرہ میں لزم اپنے ہاتھوں سے اس گرم لوہے کو گرا دیتا تھا اگر ہاتھوں میں جلنے کا نشان ہوتا تو کاذب سمجھا جاتا تھا (۳) پانی میں تانا ف کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور لزم مشرق کی طرف منہ کر کے پانی میں داخل ہوتا اور ایک کمان سے جو ایک سو چوبیس انگشت لمبی ہوتی اس سے تیر کو جس میں آہنی پیکان نہ ہوتی پھینکتا اور تیر ہوا میں لزم کے روبرو پانی میں ڈال دیتا۔ اور جگلت کے ساتھ اس کو تیر کو لانے کیلئے روانہ کرتے۔ اور تیر اندازی کی ابتدا سے تیر کے لانے تک اگر لزم اپنے سر کو پانی میں

ڈبا کر سانس کو ٹوٹنے سے بچانا تو ملزم راست گو سمجھا جاتا تھا۔ یہ حلف کا طریقہ
 ویش کے لئے مخصوص تھا۔ (۴) بسنت کے زمانہ میں سات جو زہر ملائے، پانچ درکر
 نکم، چار دربرکھا، چھ درسر، سات درسمنت، اودیس دسرا اور ان کام اشیاء
 کے ہم وزن روغن گاؤ سب چنروں میں ملا کر افسوں پڑھ کے ملزم کو کھانے
 کے لئے دیتے تھے جس کا منہ دشمن کی طرف لازمی ہوتا تھا اور کھلانیوالے
 کا منہ اُتر یا یوب کی طرف ہوتا تھا۔ اس کے بعد پانچ سو دستک دیجاتی
 اس اثنا میں اگر اس پر اثر ہوتا تو اس کے بیان کو غلط سمجھا جاتا تھا۔ اس کو دہریہ
 دوا میں کھلائی جاتی تھیں۔ تاکہ کچھ نقصان نہ پہنچے۔ حلف خاص شدہ کہیے تھا۔
 (۵) بت کو غسل دے کر اس کی عبادت کی جاتی۔ اور اس پانی پر افسوں پڑھ کر بتیں
 کھ ملزم کو ملائے جاتے۔ اگر چودہ روز تک ملزم کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچتا تو
 اس کو سچا سمجھا جاتا تھا۔ (۶) ساتھی سے چاول ایک مٹی کے برتن میں ڈالتے اور
 تمام رات اس کی حفاظت کرتے صبح فسون پڑھ کر ملزم کا منہ پورب کی طرف کر کے
 چاول کھلا دیتے تھے۔ اس کے بعد ملزم پیل کے پتے یا بھوج پتہ پر آب دہن
 ڈالتا۔ اگر آب دہن میں خون کا نشان یا ہونٹوں پر درم یا لرزہ ہوتا تو ملزم
 کو دروغ گو سمجھا جاتا تھا۔ (۷) مٹی کے برتن میں جس کی مدازی اور وسعت سولہ
 انگشت ہوتی اس میں روغن گاؤ یا تلی کا تیل چالیس دام چوش دیا جاتا تھا
 اور ایک ماشہ سونا اس گرم تیل میں ڈال دیتے تھے اگر ملزم سونے کو اپنی دونوں
 انگلیوں سے نکال لیتا اور انگلیاں نہ جلتیں تو وہ صادق القول مانا جاتا تھا۔
 (۸) چاندی کی ایک شکل دھرم کی بنائی جاتی۔ شیشہ اور لوہے سے سفید کپڑے

یا بھوج پتر پر دھرم لکھتے اور سیاہ کپڑے پر ادھرم تحریر کرتے۔ ان دونوں کو ایک مٹی کے گوزے میں جو پانی سے نہ بھیکا ہو ڈال دیتے تھے اور طرہ سے نکلوا پتھر تھے۔ اگر نقش نکوکاری نکلتا تو صداقت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ یہ طریقہ حلف چاروں ذاتوں کے استعمال میں آتا تھا۔

نزع حد و دیر کا طریقہ | اگر حدود کے بارے میں باہم نزاع ہوتی تو چار گواہ یا آٹھ، یا دس گواہ ہونے جن کو سرخ کپڑا

پہنا کر اور سرور پر ٹھکرایاں رکھ کر سرخ رنگ کے پھول کے ہار ان کی گردنوں میں ڈال لئے۔ اور گواہوں سے تب کہا جاتا تھا اگر جھوٹ بولو گے تو نام نکلیاں مٹ جائیں گی۔

کارروائی عدالت کا طریقہ | مدعی کو باری اور مدعا علیہ کو پرت کہتے تھے۔ جو کچھ مدعی بیان کرنا لکھ لیا جاتا تھا۔

اسی طرح مدعا علیہ کا بیان قلمبند کیا جاتا اور پھر ثبوت لیا جاتا۔ گواہ طلب کرتے۔ گواہ چار سے کم نہ ہوتے تین سے بھی کام چل جاتا۔ ثقہ اور مستند ایک ہی گواہ پر مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔

اندھا، لولا، لنگڑا، گونگا، بیمار، قمار باز، جہا پانی، اور چور کی شہادت ناقابل اعتبار سمجھی جاتی تھی۔ اگر ثبوت و شہادت مکمل نہ ہوتی تو مدعی یا مدعیہ دونوں میں سے کسی ایک کو جس کو عدالت چاہتی حلف لے لیتی۔ کمزور بوڑھے، کم عمر، خاندانی عورتیں عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ سمجھی جاتی تھیں۔ ان سے بیان لینے کے لئے ایک معتبر آدمی ان کی جائے رہائش پر جاتا اور ان کا بیان قلمبند کرتا۔

طریقہ ضمانت | اگر مقدمات و معاملات ایک روز میں انجام پذیر نہ ہوتے

توج کسی شخص کی ضمانت لے کر ملازم کو رہا کر دیتا تھا۔ اور جب تک پہلے دعوے کا فیصلہ نہ ہو جاتا تھا وہ دوسرے معاملات میں مشغول نہ ہوتا تھا۔

طریقہ عدالت میں تبدیلی | اکبر نے جب علماء کی بے لیاقتی اور جاہلانہ سنیہ زوری کو نثرقی سلطنت میں خلل انداز ہوتے

دیکھا تو عدل و انصاف کے کام کو جس کو علماء سے شریعت چلاتے تھے خود لے لیا اور اس کو کھلے امرائے تجربہ کار اور معاملہ فہم عالموں کی صلاح و مشورہ سے کرتا تھا اور اس محفل کا نام جہاں علماء و امراء کو مشورہ کے لئے بلاتا تھا مجلس گنگاش تھا۔

رسم سنی پر بندش | اکبر نے ہندوؤں کی رسم سنی کو روکنے کے لئے انتہائی کوشش کی۔ بار بار حکم نامے جاری کئے اطلاع ملی تو

خود روکنے سے لئے گیا۔ چنانچہ راجہ جے مل کی بیوی کو سنی ہونے سے بچانا اگلا کارنامہ تھا۔ اکبر کا قول تھا کہ یہ رسم قدیم ہندوستان سے چلی آتی ہے کہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد کیا تک ناکامی کی حالت میں زندگی بسر کر سکتی ہے لہذا وہ آپ کو آگ میں جلا دیتی ہے اور اس پیش قیمت جان کو کشادہ پیشانی کے ساتھ دے دیتی ہے اور عورت اس کو اپنے شوہر کا سرمایہ نجات جانتی ہے مجھ کو مردوں کی ہمت پر تعجب ہونا ہے کہ وہ عورت کے وسیلہ پر اپنی رہائی کے طالب ہوں۔

سنی کے بارے میں اعتقاد | ہندوستان میں عورت کے سنی ہونے کا یہ دستور تھا کہ ہندو عورتیں اپنے شوہر کے مرنے

کے بعد اس کی لاش کے ساتھ زندہ جل جا کر تھیں۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ عورت اپنے ارادہ سے سنی نہیں ہوتی بلکہ ایسے ارادہ کا آنا تاہید غیبی سے سمجھا جاتا تھا

اور مشہور رہتا کہ یہ سب منجانب اللہ ہوتا ہے اور سستی ہونا ایک کرشمہ سمجھا جاتا تھا سستی کی حالت میں لوگ اس عورت سے ڈرتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ اس وقت اس کی زبان سے جو کچھ نکلے گا وہ ضرور پورا ہوگا۔ اسی خیال سے عورت کو سستی ہونے سے منع نہیں کرتے تھے۔ یہ منو کے حکم کے مطابق کیا جاتا تھا۔

ستی کے بارے میں منو کا حکم | منو کا حکم ہے کہ برہمن، چھتری، ویشی، شدر چار قوم کی عورتوں کو سستی ہونے

کا اختیار ہے مگر وہ عورت جس کا طاکا چھوٹی عمر کا ہو۔ یا وہ حاملہ اور حیض سے ہو اس کو سستی نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اگر لڑکے کے پرورش کرنے کا انتظام ہو سکتا ہو تو اس عورت کو سستی ہو جانا چاہئے۔ زبردستی عورت کو سستی کرنے سے منو نے منع کیا ہے سستی ہونا خاوند کی نجات کا باعث سمجھا جاتا تھا۔

ستی ہونے کا طریقہ | جو عورت سستی ہونے کے لئے تیار ہوتی وہ پوری پوشاک سرخ رنگ کی پہنتی اور سنگھار جیسا کہ

شادی میں عورتوں کا کیا جاتا ہے وہ اس کا بھی کیا جاتا تھا۔ اور وہیں وقت سستی کی حالت میں ہوتی اس وقت کوئی حوائج ضروری جو انسان کو لابد ہیں اس عورت کو نہیں ہوتی تھی۔ سستی ہونے کی خبر بہت جلد گرد و نواح میں ہو جاتی تھی اور جس وقت لاش خاوند کی جلانے کو لے جاتے تھے تو وہ عورت شاواں و فرحان ناریل کو ہاتھ میں اچھالیتی ہوتی چلتی تھی۔ ہزاروں کا ہجوم ہوتا تھا اور جس جگہ لاش کو جلاتے تھے وہاں لکڑیاں، روغن زدہ، روٹی اور کپاس ہوتی تھی۔ عورت معاً اپنے شوہر کی لاش کے لکڑیوں میں زندہ پیٹھ جاتی تھی اور اس شخص کے

اقربا اس لاش اور عورت کے گرد لگڑیاں چن دیتے تھے اور روٹی روغن اس کے اوپر ڈال دیتے تھے۔ تاکہ آگ زیادہ تیز ہو جائے۔ وہ عورت مرد کی لاش کے ساتھ جل جاتی تھی اور خدشت تک اس خاندان کے آدمی اس سہتی کی پوجا کرتے تھے۔

بیوہ کا نکاح ثانی | اکبر نے رسم سہتی کے ساتھ نکاح ثانی نہ کرنے جانوروں کو بل پر چڑھانے، کم سنی میں بیاہ کرنے وغیرہ کی بصرم رسموں کو بھی بند کر دیا تھا۔

رہزروں کی شادی کی ممانعت | زبردستی سہتی ہونے کی ممانعت کے ساتھ رہزروں کی شادی کی بھی ممانعت اکبر نے کر دی تھی۔ چنانچہ اس کے دور میں رہزروں کی شادی نہیں ہو سکتی تھی جو کرتا تھا اس سے جواب طلب کیا جاتا اور سزا ملتی تھی۔

جگر خوار ساجروں کا فتنہ | اس زمانہ میں صوبہ ٹھٹہ سہسوان کے قریب میچور جھیل میں خود ساختہ جزیرے تھے۔ جن میں ایک جزیرہ میں ایک جگر خوار کے فتنہ نے کافی سرائٹھایا۔ یہ ایک انسان ہے جو اپنی نظر اور جادو سے انسان کا جگر نکال لیتا تھا۔ اور تھوڑی دیر اسے اپنی ہڈیوں میں چھپائے رکھتا تھا۔ اس دوران میں وہ بد نصیب انسان بالکل بیہوش اور غافل ہو جاتا تھا۔ اور کچھ عرصہ بعد مر جاتا تھا۔ اگر حالت عمل میں جگر خوار سے ہڈی کھول کر جگر دانہ چھین لیا جاتا تو وہ انسان مرنے سے بچ جاتا تھا۔ جگر دانہ آگ میں پڑتے ہی طباق کی طرح پھیل جاتا تھا۔ اس طباق نما

روٹی کو جگر خوار اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کھانا کھا جگر خوار اپنے فن کی تعلیم بھی دیتا تھا۔ تعلیم کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ نوآموزوں کو اس روٹی کا کچھ حصہ کھانے کے لئے دیتا تھا۔ اس کے بعد ان کو منتر سکھاتا تھا۔ اس عمل کی کرنولی زیادہ عورتیں تھیں ان کو یہ کمال بھی حاصل تھا کہ یہ لوگ دور دراز سے جو جاتے وہ منگالیتے تھے۔ اور اگر ان کے سہم میں پتھر باندھ کر انہیں دریا میں ڈال دیتے تو یہ سحر غرق ہوتے تھے جیسا کہ جگر خوار سے اس کی عمل کی قوت سلب کرنا منظور ہوتا تو اس کی دونوں کپٹیوں اور جسم کے بقایا جوڑوں پر داغ دیتے تھے اور اس کی آنکھوں میں نمک بھر دیتے تھے۔ بعد ازاں جگر خوار کو زمین کے اندر ایک کمرے میں اُلٹا رکھ دیتے تھے۔ اور چالیس شبانہ روز اسے اسی حالت میں پڑا رہنے دیتے تھے اس اثنا میں اس کو جو خوراک دی جاتی تھی اس میں نمک نہیں ڈالا جاتا تھا اور چند اشخاص فسون پڑھا کرتے تھے۔ اس عمل کے زمانہ میں جگر خوار کو ”دھچرہ“ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اکبر نے اس فتنہ کا بھی قلع قمع کیا۔

مغلوں کا جیل خانہ | مولانا محمد حسین آزاد مصنف دربار اکبری گوالیار کے قلعہ کو جرمین منطقت اکبری کا جیل خانہ فرماتے ہیں اور جنرل سلیم ایک اور قدم آگے بڑھتا ہے۔ وہ اپنی تصنیف ریمبلز اینڈ ریکورڈنگس وکٹریس میں لکھتا ہے۔

دہلی کے بادشاہوں کے ماتحت گوالیار کا قلعہ ہمیشہ ایک شاہی قید خانہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جہاں حکومت کے مقابل اور بادشاہوں کے رقیبوں کو جن کو وہ زندہ رکھنا چاہتے تھے اور مرنا نہیں

چاہتے تھے ان کو مقید کیا جاتا تھا۔ وہاں پر ان کی تفریح کے لئے چڑیا گھر اور دوسری اشیاء ہتیا کی جاتی تھیں۔ گوالیار کے جیل خانے قلعہ کے مغربی جانب بالکل دھوندا دروازے کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ ان کو نوچو کی کہتے ہیں جن کا مطلب کوٹھڑیاں ہیں ان میں کافی روشنی ہے اور ہوا کا گذر بھی معقول و مناسب ہے ان کی بلندی ۵۰ سے ۶۰ فٹ کے پیش نظر موسم گرما میں اچھی طرح بند کیا جاتا تھا۔ یہ وہی شاہی قید خانے میں جس میں اکبر نے اپنے باغی چمچے بھائیوں کو بند کیا تھا اور اورنگ زیب نے بد بخت دارا کے لڑکے سلیمان شکوہ اور مراد کے لڑکوں کو قید کر رکھا تھا بلکہ اپنے لڑکے محمد کو بھی۔

ان ایام میں قلعہ پر سخت پہرہ رہتا تھا اور کسی کو بغیر اجازت اندر جانے کی اجازت نہ تھی سلیمان شکوہ اور بہت سے بڑے بڑے آدمیوں نے اپنی زندگی کے ایام یہاں ختم کئے۔

آمین اکبری۔ اول صفحہ ۱۵۰

اکبر نے اپنے باغی چمچے بھائیوں کے علاوہ اپنے دور کے مشہور و معروف ابوالقاسم مرزا شرف الدین حسین مرزا، مسعود مرزا جیسی ہندوؤں کو بھی قلعہ گوالیار میں مقید کیا تھا جہاں موخر الذکر نے وفات پائی۔

اس قلعہ کے علاوہ اکبر نے ہمایوں کے جیل خانہ قلعہ بیانہ میں بھی لوگوں کو مقید کیا۔ چنانچہ پیر محمد اور محمد سلطان مرزا کو اسی قلعہ میں

قلعہ بیانہ

قید کیا تھا اور وہیں موخر الذکر نے فرشتہ اہل سے شناسائی حاصل کی۔

دیوانی مجرموں کا قید خانہ | دیوانی مجرموں کو کچہری کے دفتر خانہ میں قید کیا جاتا تھا۔ چنانچہ صاحب دربار گبری لکھتے

ہیں کہ جب شیخ عبدالنبی صدر کو کھبھا تو اہل قافلہ کے خرچ اور وہاں کے علماء و شرفاء کے لئے ستر ہزار روپیہ بھی دیا تھا۔ واپس آنے پر ٹوڈیل کو حکم ہوا کہ حساب سمجھو اور تحقیقات کے لئے شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا۔ دفتر خانہ کچہری میں جس طرح اور کروڑ پتی قید تھے اسی طرح یہ بھی قید تھے اور وقت پر حاضر ہوتے تھے۔

جہاںگیر اکبر نے علماء شریعت سے چھڈ کا لا حاصل کیا تھا۔ ان سے مسند عدل چھین لی تھی لیکن جہاںگیر اس بندھن کا قائل تھا۔ اسی محبت نے باپ کا دل دکھایا تھا اور اسی محبت نے ابوالفضل کا خاتمہ کرایا تھا۔ وہ بزرگوں کے طریقوں کو کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کے طریقوں کو رائج کیا اور ہندوؤں کے فیصلے نااستر کے مطابق برہمن راج سے اور مسلمانوں کے فیصلے شریعت محمدی کے مطابق قاضی سے طے کرانے شروع کر دیے۔ ان فیصلوں کے خلاف جہاںگیر خود اپیلیں سنتا تھا اسنے اکثر محصل جن سے رحمت کو تکلیف پہنچتی تھی اور اکبر کے وقت میں جاری رہ گئے تھے معاف کر دیے تھے۔ جہاںگیر پہ وہ پہلا بادشاہ تھا جس کی ولادت پر اکبر نے تمام ممالک محروسہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اور قیدیوں کو رہائی و آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا تھا۔

ناک کان کاٹنا بند | ناک کان کاٹنے کی سزا جو پہلے سے چلی آتی تھی اور غیر معقول تھی اس کو بھی جہاںگیر نے ممنوع قرار دیا تھا

اس کے دور میں لوگوں کو کٹا، اور کٹا نہیں کیا جاتا تھا اور نہ آنکھیں لگائی جاتی تھیں۔

۱۵۱ء میں خسرو اور ان کے ساتھی گرفتار **جوانی کھالوں میں تشہیر**

ہو کر دربار عالمگیری میں آئے تو حکم ہو کہ جلالیم کو گدھے کی کھال اور حسن بیگ کو گائے کی کھال میں کس کر گدھے پر بٹھا کر تشہیر کیا جائے۔ حسن بیگ اس صورت میں چار پہر بھی زندہ نہ رہ سکے۔ عبدالرحیم بمشکل تمام آٹھ پہر زندہ رہ سکے۔ انہوں نے دوران تشہیر میں بھوک اور بے عزتی کے غلبہ میں بازاری قیروں سے کھیرا لے کر کھایا۔ تشہیر کے بعد مزارا کا مران کے باغ کے دروازہ (لاہور) میں دار نصب کئے گئے۔ جہاں خسرو کے بقایا ہرا ہیوں کے سروں کو لٹکایا گیا۔

افضل کے دور حکومت میں پٹنہ کے اندر **زنانے لباس میں تشہیر**

ایک فقیر نامی قطب نے خود کو افضل کی موجودگی میں سلطان خرم مشہور کر کے علم فساد بلند کیا ساتھ میں بنارسی اور غیاث بیگ نے ساتھ دیا اور قلعہ پر جا کر قبضہ کر لیا۔ جب افضل خاں واپس آیا اور حملہ آور ہوا تو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ جلی خسرو، بنارسی اور غیاث بیگ پکڑے گئے حکم ہوا کہ بنارسی اور غیاث بیگ کو عورتوں کا لباس پہنا کر سراورڈ اڑھی کے بال تراش کر گدھے پر سوار کر کے تشہیر کرو۔ اور پٹنہ سے تشہیر کرتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں لاؤ۔

جہانگیر نے اپنے رہنے کے محلوں میں ایک زنجیر سونے کی **انصاف عام**

طہ منتخب الباب اطا مصنفہ محض خلا ۲۷۲۵ ایضاً ۲۲۸۸ طہ منتخب الباب اول مصنفہ محض خلا

باہر لنگھا دیا تھا کہ فریادی کو اگر کوئی پیادہ اور چوب دار بادشاہ تک نہ پہنچے تو وہ اس کی زنجیر کو ہلا دیتا۔ جہانگیر گھنٹیاں بجتے ہی باہر نکل آتا تھا۔

مردہ خاوند کیساتھ عورت زندہ درگور | جہانگیر جب موضع ٹھٹھہ میں پہنچا تو اس کو معلوم ہوا کہ

یہاں کے باشندے جن کو سلطان فیروز شاہ نے مسلمان کیا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ کے رسم و رواج میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بجائے خاوند کے ساتھ جلنے کے مردہ خاوند کے ساتھ زندہ عورت درگور ہو جاتی ہے۔ اور بعض لڑکی کے پیدا ہونے پر اس کو پوشیدہ طور پر مار ڈالتے ہیں۔ نیز مہندوؤں کے ساتھ تشنہ کر لیتے ہیں۔ بٹی دے بھی دیتے ہیں اور بے بھی لیتے ہیں۔ ان حالات کے ساتھ جب جہانگیر کو یہ بتایا گیا کہ انہی دنوں میں ایک دس بارہ برس کی زندہ لڑکی اپنے ہم عمر مردہ شوہر کے ساتھ قبر میں دفن کی جا چکی ہے تو اس نے حکم دیا کہ اگر اس قسم کی حرکت دوبارہ ہو تو سخت سزا دی جی چاہئے۔

جہانگیری قلمرو سے سیپور واک اخراج | ہندوؤں میں سیپورہ ایک گروہ عہد جہانگیری

میں تھا جو ستر یا بارہنہ رتھ نامہ سر سے بال رکھتا اور نہ ڈاڑھی مچھیں رکھتا تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی جاندار کو سنانا نہیں چاہئے۔ اس گروہ کو بننے اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ ان کو قابل سجدہ اور قابل پرستش مانتے تھے اور اپنی بیوی اور لڑکیوں کو ان کی خدمت میں بیٹھتے تھے جہاں عیاد ناموس کی پرواہ نہ ہوتی تھی اور وہ ان سے بد فعلی بھی کرتے تھے۔

۱۔ منتخب الباب اول ۲۵۷ء تک جہانگیری (۳۱۷ء) ایضاً لکھنؤ منتخب الباب جلد اول

نیریہ لوگ اس قسم کی حرکتیں کرتے تھے جس سے امن عامہ میں خلل واقع ہوتا تھا اور اندیشہ فساد رہتا تھا۔ اس لئے جہانگیر نے اس متفنی گروہ کو اپنی قلمرو سے خارج کرنے کا حکم دے دیا تھا اور چاروں طرف یہ فرمان بھیج دیا کہ لوگ جہاں قلمرو میں ملیں ان کو قلمرو سے باہر کر دو۔

ہندوستان اور خاص طور پر سلہٹ بنگال میں یہ پرانی

نوعمر بچوں کی خرید و فروخت بند

رسم چلی آتی تھی کہ لوگ خواجہ سراؤں سے اپنی حاجت کے مطابق مال لے کر اپنے نوعمر بچوں کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے جن سے بچے ضائع اور مقطوع النسل ہو جاتے تھے۔ یہ وبا جب چاروں طرف پھیلنے لگی تو جہانگیر نے فرمان جاری کیا کہ آئندہ یہ امر قبیح عمل میں نہ آئے۔ ورنہ سزا دی جائے گی۔

عہد جہانگیری میں تمباکو پینے کا رواج شروع ہوا تھا۔ کچھ دن چلا، اس کے ضرر معلوم

تمباکو پینے کی ممانعت

ہوئے اور اس کی تصدیق شاہ عباس نے بھی کی تو جہانگیر نے اس کا پینا ممنوع قرار دے دیا۔ خان عالم اس کے بہت عادی تھے۔ یہ خبر جہانگیر نے شاہ عباس کو پہنچائی تو انہوں نے خان عالم کو سب ذیل بیت بھیجا۔

رسولِ یارِ نیا ہد کند اطہارِ تمباکو من از شمع و قارونِ کرم بانِ تمباکو

خان عالم کب چو کئے والے تھے، انہوں نے بھی جواب میں بیت ارسال کیا۔

من بچارہ عابرِ بوم از اطہارِ تمباکو ز لطفِ شاہ عادل گرم شد باز آؤں کو

تمباکو نوشی پر ہونٹ کاٹنا | تمباکو نوشی کے ممنوع ہونے کے بعد بھی

۱۷ نرس جہانگیری ۱۷ منتخب الباب جلد اول مخی خان (۱۶۹۲) ۱۷ ترک جہانگیری

لوگوں نے تبا کو پینا نہ چھوڑا تو جہانگیر نے حکم دیا کہ جو کوئی تبا کو پیے گا اس کے
 ہنٹ کاٹ دے جائیں گے۔ اکثر اشخاص کو جنہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی
 تھی۔ اُن کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے شہر کے چاروں طرف بھسایا گیا۔
قلعہ گوالیار | جہانگیر اپنے متقدمین کے نقش قدم کے مطابق باغیوں
 اور سلطنت کے مجرموں کو قلعہ گوالیار میں مقید کرتا تھا چنانچہ

خان اعظم پیر شیخ احمد برہنہ دی برادرزادہ راجہ نرسنگھ دیند اور ایک آفریدی وغیرہ
 کو اسی قلعہ میں بند کیا تھا۔

قلعہ رن تنصور | اس قلعہ کے علاوہ سلطنت کے باغی قلعہ رن تنصور
 میں بھی قید کئے جاتے تھے۔ چنانچہ خان اعظم قلعہ گوالیار
 میں مقید تھے تو ان کے لڑکے عبداللہ کو قلعہ رن تنصور میں قید کیا گیا تھا۔ اس
 قلعہ میں کتنے قیدی رہتے تھے۔ یہ نرک جہانگیری کی حسب ذیل عبارت سے واضح
 ہو جاتا ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے۔

جب میں قلعہ دیکھنے سے فارغ ہو گیا تو میں نے حکم دیا کہ مجرموں
 کو جن کو اس قلعہ میں قید کر رکھا ہے حاضر کرو تاکہ میں ہر ایک کا مقدمہ
 سن کر عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کروں۔

قلعہ لاہور | لاہور کا قلعہ بھی جہانگیر نے قید کے لئے استعمال کیا تھا چنانچہ
 خسرو کے لڑکے کو اسی قلعہ لاہور میں قید کیا گیا تھا۔ ممکن ہے اور
 حضرات بھی اس قلعہ میں قید کئے گئے ہوں۔

نتیجہاں کے دور میں عدل و انصاف کے طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی

جہانگیر نے جو طریقے رائج کئے تھے ان طریقوں پر شاہجہاں نے کم و بیش عمل کیا تھا البتہ اس نے ظالم حاکم کی نرا افواہی اور بے حد موثر تجویز کی تھی چنانچہ اس کا خاص وصف یہی تھا کہ وہ ظالم حاکموں اور ملازمین کو سخت نرا دیتا تھا۔

ظالم حاکم کی آستین میں سانپ چھوڑنا | وقائع نگار نے شاہجہاں کو مطلع کیا کہ محمد امین متضدی

بندر سورت شخصیں مال اور دیگر چیزوں میں سختی کرتے ہیں۔ اور اس کی زیادتیوں سے لوگ تنگ آچکے ہیں۔ بادشاہ نے فوراً اس کی جاگیر منصب ضبط کئے گرفتاری حاضری کا حکم دیا۔ حاضری پر سزا تجویز ہوئی کہ اس ظالم کی آستین میں سرور بار سانپ چھوڑا جائے۔ تمام درباری اس حکم سے لرز اٹھے۔ چنانچہ امراء سفارش کئے لئے بڑھے مگر کوئی شغوائی نہ ہوئی۔ متضدیوں اور محمد امین کے حامیوں نے جب دیکھا کہ اس کی جان بخشی کی امید نہیں ہے تو جہانگیر کی بڑی بیٹی شہزادی بیگم جس کی جاگیر میں بندر سورت تھا، کی خدمت میں گئے اور ایک سفارشی رقعہ لکھوا لائے اور بادشاہ کی خدمت میں گزانا۔ جب بادشاہ نے اس رقعہ کو پڑھا تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اس نے محمد امین کو تو حوالات میں بھیج دیا اور خود محل میں گیا اور شہزادی بیگم کو بلا کر سمجھایا کہ بے شک بندر سورت تمہاری جاگیر ہے۔ مگر یہ بات بھی بھولنے کی نہیں ہے کہ لگذار رعیت ملک کی آبادی کا باعث اور شاہی خزانہ و لشکر کی افزونی کا باعث ہوتی ہے تم نے سوچے سمجھے بغیر ایسے ظالم کی سفارش کی جو محض اظہار بغیر خواہی کی خاطر میری مناسبت رہایا کہ برباد کرتا رہا ہے۔ اور شخصیں محصول میں ایسی سختی کی ہے کہ بہت سے غریب لوگوں نے مجبور ہو کر اپنے خور و مال بچے عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر کے

لے تا بیخ اور ملک زیب پر و فیہر جاد و ناکہ سرکار سوم مسئلہ ۔

سرکاری محصول ادا کیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ بندر سورت مفت اقلیم کے لوگوں اور سوداگروں کے آنے جانے کی جگہ ہے۔ جب قرب و جوار کے بادشاہوں کو اس حال کی اطلاع ہوگی تو میری اور تمہاری کس قدر بدنامی ہوگی۔ کچھ عجب نہیں کہ خدائے تعالیٰ کا غضب بھی نازل ہو جائے۔ بادشاہوں کا فرض ہے کہ وہ ستم رسیدہ رعایا کی دادخواہی کریں۔

مدہ نصحت ظلم در بیج حال کہ خورشید مملکت نیا بد نوال

خرابی ز بیدار بند جہاں چوں بستاں خرم ز باد خزاں

بازارِ مظلوم مائل مباحث زد و زد دل خلق غافل مباحث

دوسرے دن بادشاہ دربار میں آیا اور حکم دیا کہ محمد امین کو اسی وقت اس کے سامنے لایا جائے اور اس کی آستین میں سانپ چھوڑا جائے۔ تمام درباری دہل گئے کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ منہ سے ایک لفظ بھی نکال سکے۔ اتنے میں نواب سعد اللہ خاں نائب داروغہ دیکھتا ہوا نے آکر سلام کیا اور ہاتھ جوڑ کر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ کہا۔

جہاں پناہ کے دولت و اقبال کا آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہے۔ اگرچہ ظالم کی سفارش کرنا خود بھی اس کے ظلم میں شریک ہونا ہے مگر نیدگان عالیٰ تو خیال فرمائیں کہ غریب رعایا کا بہت سارو پیہ اس ظالم کے ذمے ہے جب تک پوری تحقیقات نہ ہوا اور مظلوموں کا روپیہ واپس نہ کیا جائے اس وقت تک اس کا ظلم برقرار رہے گا۔ اس لئے اگر آپ ان لوگوں کے لئے انصاف کرنا چاہتے ہیں تو اس کے قتل میں تامل فرمائیں۔

اس درخواست کا یا شاہ پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے محمد امین کو راجہ رکھنا تھکے سپرد کیا کہ وہ تحقیقات کرے اور جس قدر روپیہ رعیت سے زیادہ یا گیا ہے اس سے واپس کرائے۔ راجہ رگتا تھراے نے ایسا ہی کیا جس جس سے جتنا زیادہ وصول کیا گیا تھا واپس کرایا۔

شاہجہاں کے دور میں مہنگی بندر کے عیسائیوں کے جب مظالم اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے سلطنت کے احکام سے لاپرواہی برت کر انحراف کرنا شروع کیا۔ گرد و نواح کے شہروں کی رعایا پر زیادتیاں کیں اور مرنے والوں کا مال ضبط کرنا، متوفی کے مابا بق ہندو مسلم بچوں کو عیسائی بنانا، ہر راہ گیر سے محصول لینا، اپنے ملک میں کسی فقیر کو قدم نہ رکھنے دینا، غلطی سے داخل ہونے پر ہندو فقیر کو تکلیف دے کر مارنا اور مسلمان داخل ہونے والے کو قید و تکلیف دے کر چھوڑنا انہما کو پہنچ گیا تو شاہجہاں نے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے قاسم خاں کو مقرر کیا۔ قاسم خاں نے نصرائیوں کا تین ماہ محاصرہ کیا۔ قلعہ سے نکل کر پچاس ہزار افراد نے قاسم خاں کی امان میں پناہ پائی۔ دس ہزار فرنگی تباہ ہوئے۔ ایک ہزار چار سو فرنگی اور وہ جمعیت جو مجبر عیسائی بنائی گئی قید ہوئے اور دس ہزار کے قریب وہ بے گنلوں لوگ آزاد ہوئے جن کو عیسائیوں نے قید کر رکھا تھا۔

شاہجہاں بھی قیدیوں کو قلعہ گوالیار میں مقید کرتے تھے۔ چنانچہ مغل خاں (جلد اول ص ۵۸) نقب الباب میں لکھتا ہے -

شاہجہاں جب قلعہ گوالیار کی سیر کر چکے تو انہوں نے قیدیوں پر

مہربانی فرمائی جن مکانوں میں قیدی محبوس تھے ان پر بھی نظر ڈالی
اور چند ایک قیدیوں کو چھوڑ کر جو شرعاً اور عرفاً سزا کے مستحق تھے
بقایا تمام قیدیوں کو جو مدت مدید سے قید کے عذاب میں مبتلا تھے
رہا کیا۔

جسمانی سزاؤں کا خاتمہ | عہد عالمگیری اقتدار اور طاقت اور وسعت
سلطنت کے اعتبار سے اس سلسلہ میں انتہائی

حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں جسمانی سزاؤں کو بیک قلم موقوف کر دیا تھا۔ عالمگیر سوائے
چورے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے، ناک، کان، ہونٹ، زبان، انگلی کاٹنے کی جسمانی سزا
نہ دیتا تھا۔ وہ ان سزاؤں کو خلاف شرع سمجھتا تھا۔ خاتجہ لین پول مصنف سوانح
عمری عالمگیر جس نے عالمگیری حمایت کے رنگ میں عالمگیر کو بدنام کرنے کی کافی کوشش
کی ہے اور مظالم کی داستانیں ان سے وابستہ کی ہیں وہ بھی عالمگیر کو جسمانی
سزاؤں کا دشمن سمجھتا ہے اور عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں لکھتا ہے ۔

منہل اعظم کا عدل دریائے اعظم ہے۔ نیچے تلے انصاف سے
وہ عموماً تجویز کرتا ہے کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارت امارت
اور منصب کی کچھ نہیں ملتی بلکہ ادلے سے ادلے آدمی کی اور رنگ زیب
اس مستعدی سے بات سنتا ہے جس طرح بڑے سے بڑے امیر کی
سیا خوجی مخالفانہ نکتہ چینی اور رنگ زیب کے چال چلن پر سی زمانہ تک جب تک
کہ وہ شہزادہ تھا لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال
لکھتا ہے تو سوائے کلمات تحسین کے اور کچھ نہیں لکھتا۔ اسکی پچاس برس کی مراد

جو یہ کہہ کر بے غلغلہ چلے گئے تھے اس کے خلاف ثابت نہیں ہو سکتی تھی کہ ہندوؤں کے سناٹے میں
 بھی اسکی بیانداری کا ایک جزو تھا۔ یہ کہہ کر کوئی قتل یا جانی حلیف سناٹے میں نہیں آتی

الدینہ عالمگیر کی چپاس بریں کی حکومت کا صرف ایک
 مستثنیٰ واقعہ ہے۔ جب دربار عالمگیر میں سب سے پہلے چاہا گیا اور اس نے رُو در رُو
 عالمگیر کو سخت گالیاں دیں تو عالمگیر نے زبان کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر آنکھیں نکلوا کر
 قتل کیا۔ اس سزا کے علاوہ عالمگیر نے کبھی کوئی دشمن یا نہ سزا نہیں دی

عالمگیر کے شروع زمانہ میں علی نقی دیوان
 شیر محمد مراد بخش نے ایک فقیر کو چوری

چوری کے الزام میں پتہ نکالنا

کے الزام میں بلا تحقیق پتہ نکالنے کی سزا دی۔ یہ دیوان معمولی جرموں پر پتہ لگانے
 کی سزا دینے لگا تھا۔ جب یہ سزا اُس فقیر کو دی جا رہی تھی تو اُس نے آسمان کی
 طرف دیکھا اور کہا کہ مجھ کو ناحق و بے قصور مارا گیا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ تو بھی
 ہمت میں بلا قصور مارا جائے گا۔

علی نقی کا ظلم یقیناً اس قابل تھا کہ اس کا عالمگیر کو علم ہوتا تو وہ اسکی سخت
 سزا دیتا۔ لیکن فقیر کی بددعا جلد کارگر مقبول ہوئی اس نے عالمگیر کی تعزیر کا انتظار نہ
 کیا۔ قدرت نے انصاف کیا۔

ایک خواجہ سرائے جو اس کا دشمن تھا اس نے
 ایک جعلی خط داراشکوہ کے نام لکھا اور اس کو

خیانت کی سزا قتل

علی نقی کے نام سے منسوب کیا۔ قاصد کے حوالہ کیا اور اس کو تانکیدی کی کڑاں چوکی
 سے جہاں سخت پہرہ ہے اور خاص طور پر خطوط کی تلاشی ہوتی ہے یہاں سے

قاصد خط لے گیا۔ چوکی پر پہنچا تو تلاشی میں خط پکڑا گیا۔ خط محمد مراد بخش سے پاس
 پہنچا دیا گیا۔ اُس نے جب پڑھا تو آگ بگولہ ہو گیا۔ دارالعلوم سلطنت کے دشمن
 سے سازش کی جا رہی تھی۔ فوراً علی نقی کو بلایا۔ حاضر ہوا تو محمد مراد بخش غضبناک
 انداز میں اُس سے مخاطب ہوا۔ تباہ و جو شخص اراداً تمک حرامی کا قصد اپنے دلی
 نعمت کے خلاف کرے تو اُس کو اُس کی کیا سزا ملنی چاہئے۔ علی نقی نے اپنے آپ
 کو خیانت سے پاک سمجھنے ہوئے جواب دیا کہ سیاست جو سزا تجویز کرے وہ ملنی چاہیے
 اس کے بعد مراد بخش نے وہ خط علی نقی کو دکھایا۔ اس نے انکار کیا کہ کوئی
 شخص اپنے آقا کے خلاف یہ جرات نہیں کر سکتا کہ وہ خود ایسا خط لکھ کر بھیجے
 اس جواب سے مراد بخش اور چراغ پا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں بر بھی تھی اُس نے
 طیش میں علی نقی کے سینہ میں ماری۔ قتل کا اشارہ ہو چکا تھا اس لئے حاضر
 خواجہ مراد نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (مختب الباب جلد دوم ۸، ۹)

۱ دن میں دو مرتبہ دربار عام کرتا تھا اور مطلق کوئی
 رکاوٹ کسی دادخواہ کو نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر جلی
عدل و انصاف
 کریری نے اڑسٹھ برس کی عمر میں عالمگیر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتا ہے۔

وہ صاف ملل کی پوشاک پہنے ہوئے عصا پیری کے
 سہارے امیروں کے جھڑ میں کھڑا ہوا تھا وہ دادخواہوں
 کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر اپنے ہاتھ سے
 دستخط کرتا جاتا تھا اور اُس کے ہشاش بشاش چہرے سے
 صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں

و فرحاں ہے۔ (تاریخ افغنن صفحہ ۲۳)

پسر عالمگیر پر قتل کا الزام | مرزا کام بخش عالمگیر کا نہایت چہیتا بیٹا تھا اسکے اور قتل کا الزام عائد ہوا تو عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے۔ کوکہ اس کی حمایت میں آیا۔ عالمگیر نے مدد کوکے کام بخش کو دربار میں بلایا اور حکم دیا کہ کام بخش کے ساتھ کوکہ کو بھی قید کیا جائے چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

اسی طرح سادات کی فوج درباریوں سے لڑی تو عالمگیر نے حکم دیا کہ قاضی کے محکمہ میں مقدمہ پیش ہو۔ سادات نے کہا کہ ہم خود اپنا فیصلہ کریں گے۔ عالمگیر نے آستین چڑھا کر کہا کہ جو لوگ میری تلوار کا حرہ چکھ چکے ہیں وہ شریعت کے معاملہ میں ایسے الفاظ نکالتے ہیں۔ فوراً سب کو مل کر محکمہ قاضی میں جانا چاہئے۔

اپنے حملہ اور کو معافی | ۱۰۸۳ء میں عالمگیر بفرعبد کی نماز پڑھنے جا رہا تھا کہ واپسی میں ایک شخص نے لکڑی پھینک کر ماری جو عالمگیر کے زانو پر لگی۔ گزبر دار اس کو گرفتار کر لائے۔ عالمگیر نے کہا چھوڑ دو۔ ۱۰۸۳ء جلوس عالمگیری میں جب بادشاہ جامع مسجد سے واپس آ رہا تھا تو ایک شخص تلوار علم کئے اس طرف دوڑا۔ لوگوں نے اُس کو گرفتار کیا اور قتل کر دیا چاہا۔ عالمگیر نے روکا اور آٹھ آنے یومیہ روزینہ اس کا مقرر کیا۔

بادشاہ کے خلاف دادرسی | ۱۰۸۲ء میں یہ فرمان جاری ہوا کہ تمام اضلاع میں سرکاری وکیل مقرر کئے جائیں اور عام منادی کرادی جائے کہ جس کسی کو بادشاہ پر کوئی دعویٰ پیش کرنا ہو تو

سرکاری وکیل اس کی جوابدہی کرے گا۔ اور اس کا کافی ثبوت ہوگا تو سرکاری وکیل سے مطالبہ وصول کرے گا۔

جب عالمگیر کا یہ فرمان چاروں طرف پھیل گیا تو محمد حسن پیر حاجی زاہد ملک التجار و سپر پیر جی بھورہ تاجران بندر سورت نے غیاث الدین خاں متصدی بندر مذکورہ کی تعدی دیکھتے ہوئے عالمگیر کی خدمت میں ایک استغاثہ محمد علی خاں کی معرفت پیش کیا کہ خواجہ شہباز نے بندر سورت کی تسخیر و فتح کے بعد تاجران بندر سورت کو جمع کر کے دس لاکھ روپے بطور قرض طلب کیا تھا۔ حاجی زاہد اور پیر جی بھورہ نے تاجران بندر سورت کی طرف سے پانچ لاکھ روپے بطور قرض دئے اور تنگ محمد مراد بخش سے حاصل کیا۔

خواجہ شہباز نے وہ روپیہ خرچ نہیں کیا بلکہ اسی طرح اشرفیاں سرکاری خزانہ میں داخل کر دی گئی تھیں جو اب تک سر بہ مہر صندوق میں مراد بخش کے متصدیوں کے پاس رہی ہیں۔

چونکہ عدل و انصاف کے سلسلہ میں جناب کا نیا حکم جاری ہوا ہے اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ رقم مطلوبہ واجب دلائی جائے۔ عالمگیر نے ثبوت مانگا اور کہا کہ ثبوت دو اور لے جاؤ۔ چنانچہ قوائے عالمگیری کی اس عبارت کا حوالہ دیا گیا کہ ”میت کے ترکہ پر وارثوں میں سے اگر ایک بھی قابض ہو تو میت کا قرض اُن پر واجب و لازم ہے“

عالمگیر نے غور و فکر مطالعہ و تامل کے بعد قرض مذکور کے ادا کرنے کا فیصلہ دیا۔ محمد حسن نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کی کہ فدوی کا مطلب

یہ تھا کہ اپنا حق ظاہر کر کے یہ رقم عدل پر و بادشاہ پر نثار کرے اس لئے یہ رقم حضور کی نذر ہے۔

تب عالمگیر نے محمد محسن کو خلعت میں گھوڑا اور ہاتھی عطا کیا اور عیال الدین مقصدی بندر سورت کو تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ منتخب الباب خفی خاں دم ۲۵۱۲۵

محکمہ احتساب | احتساب کا مستقل محکمہ قائم ہوا اور اصلاح میں محتسب مقرر ہوئے جن کا کام یہ تھا کہ وہ لوگوں کو

منہیات و ممنوعات سے باز رکھیں اور قمار بازی اور شراب خواری کے مقامات تلاش کر کے اس کو نیست و نابود کریں، عالمگیر نے ایک فرمان اس قسم کا جاری کیا تھا کہ کوئی شخص گائے یا ناپے نہیں۔ محل سراؤں میں جتنے گوتے تھے ان سب کو موقوف کر دیا تھا۔ محکمہ احتساب کے افسر ملا وجیہ الدین تھے، اس عہد سے قبل شرعی مقدمات کے فیصلے کے لئے کوئی ایسی جامع اور مانع کتاب فقہ کی موجود نہ تھی جس میں تمام مسائل جمع کئے گئے ہوں اور جن سے فقہن آسانی مسائل کا استخراج کر سکے۔ عالمگیر نے تمام علماء و فضلاء کو جمع کر کے تصنیف کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کے افسر ملا نظامی تھے۔ اس کام کے لئے شاہی کتب خانہ جس میں بے شمار کتابیں فراہم تھیں وقف کر دی گئیں۔ سات آٹھ برس کی مسلسل محنت کے بعد وہ کتاب تیار کی گئی جو آج عالمگیری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے حالانکہ علماء کی تنخواہیں کچھ زیادہ نہ تھیں۔ روزینہ تین روپے تھی

اس جامع کتاب میں جہاں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ایمان، طہارت،

نکاح، طلاق، جہاد، زباج، رہن، بیع کے مسائل ہیں وہاں حدود و تضریر
 قضا و نیجات کے طریقے بھی درج ہیں جو حقیقہ کی رو سے جائز تھے اور جن کو
 ملتے رکھ کر قاضی فیصلے دیا کرتا تھا۔ عالمگیری کتاب الحدود، کتاب القصاص
 کتاب الشہادت، کتاب الجنایات، کتاب الدیات کے اقتباسات ملاحظہ ہوں
 قاضی متقی اور پرہیزگار آدمی مقرر ہوتا تھا۔ جو شخص
قاضی کا عہدہ فاسق و فاجر ہوتا تھا اس کو قضا کا منصب نہ دیا جاتا
 تھا۔ نیز غلام، محنت، سود خوار، شرابی، چور اور شطرنج کے کھیلنے والے اور راستہ
 میں کھانے والے کو بھی قاضی نہ بنایا جاتا تھا۔

عہدہ قضا کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ اس کو جو نہیں لینا چاہئے
 لیکن جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ وہ عدل و انصاف کے کام کو سنبھال سکتا
 ہے۔ اور ڈول ڈول نہ ہوگا وہ اس خدمت کو لے سکتا ہے۔
 قاضی مسجد میں یا اپنے مکان پر یا کسی سرکاری جگہ پر بیٹھ کر فیصلے کیا کرتا تھا
 تنازعات کے فیصلے کرانے کے لئے کوئی تخصیص نہ ہوتی تھی ہر خاص و عام کے
 لئے انصاف کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔

قاضی مدعی اور مدعا علیہ کو سامنے عدالت کے بٹھاتا تھا۔ خواہ وہ
 بادشاہ ہو یا غلام۔ کسی سے سرگوشی نہ کرتا اور نہ ہی عدالت میں مزاح کرتا نہ کسی
 کو دلیل و محبت بناتا۔ انتہائی غیر جانبدارانہ طریقہ سے واقعات مقدمہ سناتا تھا۔

زنا کے مقدمہ میں چار روگواہ اور قصاص اور حدود
شہادت میں دو گواہ شہادت کے لئے ضروری تھے۔ ان امیر

میں عورتوں کی شہادت جائز نہ تھی۔ البتہ عورتوں کی ان چیزوں میں جن میں مردوں کو کچھ واقفیت کا امکان نہ ہو لی جاتی تھی۔ مثلاً کنواری ہونے اور جننے کے بارے میں ان کی گواہی معتبر مانی جاتی تھی اور صرف ایک عورت کی شہادت کافی سمجھی جاتی تھی۔

مقدمات مالی وغیر مالی میں بھی ان کی شہادت قابل اعتبار ہوتی تھی۔
دومر و شاہد نہ ہوتے تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت پر فیصلہ ہو جاتا۔
فاسق و فاجر، غلام، مخمض، گھانے والی عورت، مرغ باز، کنوڑ باز،
سود خوار، شرابی، چوسرا و شطرنج کے کھلاڑی، نماز فوت کرنے والے راستہ
میں ہشیاب کرنے والے اور سور کھانے والے یا علانیہ صحابہ کرام کو گالیاں دینے
والے کی شہادت نہ لی جاتی تھی۔

نادہندگی کی صورت میں مدعی مدعا علیہ کے خلاف
نادہندگی کی سزا قید | مدعا علیہ کو قید کرنے کی درخواست دیتا تھا۔ تب
قاضی قبی مدت کے لئے مناسب سمجھتا تھا قید کرتا تھا۔ نادہندگی۔ مہر معجل
رضامنت، نفقہ زوجہ، نفقہ اولاد و ذمی کا قرض نہ دینے کی صورت میں سمجھی جاتی
تھی۔ اگر مفلس ہوتی تو نادہندگی کا اطلاق نہ ہوتا تھا۔ اور مفلس کو مقید نہ کیا جاتا تھا
پنچایت سے بھی فیصلے کئے جاتے تھے۔ لیکن بیچ کا رتبہ
پنچایت | قاضی سے کم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ قاضی کا حکم عام مانا جاتا تھا
اور بیچ کا حکم اسی کے لئے مخصوص ہوتا تھا جس نے اس کو بیچ مقرر کیا ہے
بیچ مدعی اور مدعا علیہ مقرر کرتے تھے اور ان کا حکم ماننا ان دونوں

کے لئے ضروری تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ کو اختیار تھا کہ پہنچ کے فیصلہ سے پہلے دونوں یا دونوں میں سے ایک پنچایت سے تحریف ہو جائیں۔ اگر پہنچ کے حکم کا مرفوعہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا تو وہ قانون سے مقابلہ کرتا۔ قانون کے خلاف ہوتا تو مسترد کر دیتا تھا۔

جوشادی شدہ شخص زنا کے الزام
شادی شدہ زانی کی سنگساری

میں گرفتار ہوتا اور اس کا جرم پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا تو اس کو سنگسار کیا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ مر جاتا تھا سنگسار کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے گواہ پتھر زانی کے مارتے تھے۔ پھر حکم اس کے بعد اور لوگ۔ اگر گواہ سنگسار کرنے سے انکار کرتے یا غائب ہو جاتے یا مر جاتے تو یہ حد ساقط ہو جاتی تھی۔ عورت کو سنگسار کرنے کے لئے ایک گھڑا کھودا جاتا تھا جو اس کی چھاتی تک ہوتا تھا۔

اگر زانی خود جرم زنا کا اقرار کرتا تو اس صورت میں حاکم اس کے پہلے پتھر مارتا اور پھر اور لوگ۔ مرنے کے بعد اس کو غسل دیا جاتا تکفین کی جاتی اور نماز پڑھی جاتی تھی۔

اگر زانی غیر شادی شدہ
غیر شادی شدہ زانی کو سزائے تازیانہ

اور آزاد ہوتا تو سو کوڑے اور غلام متبانا تو پچاس کوڑے لگائے جاتے تھے۔ کوڑے کی چوٹی میں گرہ نہ ہوتی تھی۔ ضرب متوسط ماری جاتی تھی۔ بہت آہستہ اور نہ بہت زور سے مرد کے پیڑے اُڑوائے جاتے تھے۔ سر شرمگاہ اور کمرہ کو یا کرتام بدن پر علیحدہ علیحدہ

کوڑے لگائے جاتے تھے۔ بغیر مرد کے مرد کو کھڑا کیا جاتا تھا۔ زمین پر لٹا کر یا گھسیٹ کر نہ مارا جاتا تھا۔ اور نہ کوڑا مارنے کے وقت ہاتھ کو سر پر کھینچتے تھے تاکہ ضرب شدید نہ پہنچے اور کوڑے کو مار کر بھی نہ گھسیٹتے تھے کہ زخمی نہ ہو جائے۔ مالک بغیر بادشاہ کے حکم کے اپنے غلام کے کوڑے نہ مار سکتا تھا۔ عورت کے کوڑے اتارے نہیں جاتے تھے سوائے پوستین اور روئی دار کپڑوں کے عورت کو کوڑے بٹھا کر مارے جاتے تھے۔ غیر محسن کو اگر حاکم مصلحتاً چند روز کے لئے جلا وطن کرنا چاہتا تو کر دیتا تھا۔

بیماری کی صورت میں سنگسار کر دیا جاتا تھا البتہ کوڑے نہیں لگائے جاتے تھے جب تک زانی اچھا نہ ہو جاتا تھا۔ یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ سنگسار کرنے میں مقصود مار ڈالنا ہوتا تھا جس میں بیمار اور تندرست سب برابر ہیں۔ اور کوڑے مارنے کی غرض چھڑک دینا ہے نہ کہ مارنا۔ حالت بیماری میں مرجانے کا خوف ہوتا تھا اس لئے تندرست ہونے کا انتظار کیا جاتا تھا۔

حد سے بریت کی صورت | اگر زنا میں شبہ پیدا ہو جاتا یا چار گواہ چشم دید نہ ہوتے یا دیوانہ یا لڑکا یا لافہ سے نہ انکار کیا جو عورت مرد پر حرام ہوتی اس سے نکاح کر کے صحبت کرتا تو ان پر حد قائم نہ ہوتی۔

زنا کے مقدمہ میں اندھے گواہ یا کسی زنا کے بہتان میں سزا خوردہ گواہ یا بدکار گواہ کی شہادت قطعاً نہ لی جاتی تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ ان گواہوں میں سے کوئی گواہ غلام ہے یا حد خوردہ ہے تو اس کو لینے کے دینے پڑ جاتے

تھے اور اُس پر اُلٹی حد قائم ہو جاتی تھی اور طرم بچ جاتا تھا۔
 اگر اتفاقاً ایسا ہوتا کہ مقدمہ کے دوران میں گواہوں کے بارے میں
 کچھ نہ معلوم ہونا اور فیصلے اور حد لگنے کے بعد معلوم ہوتا کہ فلاں گواہ غلام
 یا بدکار تھا تو چاروں گواہوں کے تازیانے لگتے۔ اور حد خوردہ کو بیت المال
 سے تاوان ملتا۔ سنگسار ہوتا تو وارثوں کو بیت المال سے خوں بہا دیا جاتا تھا۔
 اگر کوئی شخص کسی شخص پر زنا کی تہمت لگاتا تو اس کی سزا اسی کوڑے تھی اور غلام
 کو چالیس کوڑے لگائے جاتے تھے۔

چور کا ہاتھ کاٹنا | اگر کوئی عاقل و بالغ شخص دس درم سے زیادہ لیکے
 پوشیدہ جگہ سے چرائیتا اور اس کا اقرار کر لیتا یا دوسرے
 اس کی چوری کی شہادت دیتے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔

ہاتھ کاٹنے سے مستثنیٰ | لیکن اگر ایک نصاب سرقہ میں متعدد چوروں کا
 سا جھا ہوتا، نادان بچے اور کفن چور نے چوری
 کی ہوتی، میاں بیوی میں سے کسی نے ایک کمال یا بیٹے نے باپ کمال، یا کسی
 شخص نے کوئی چیز مستعار لے کر اس سے انکار کیا ہوتا یا ایک شخص نے جو چیز
 چرائی تھی بدریعہ بہہ یا بیع اس کا مالک بن جانا یا قرآن مجید یا گھڑی کی جو چیزیں
 جلد خراب ہو جاتی ہیں سرقہ کی ہوتیں۔ یا غیر مذہب والے جو مسلمان ہو کر اسلامی
 عملداری میں رہتے ہیں وہ چوری کے مرتکب ہوتے تو ان کا ہاتھ نہ کاٹا جاتا تھا
ہاتھ کاٹنے کا طریقہ | پہلی دفعہ کی چوری پر چور کا پہلے داہنا ہاتھ کاٹا
 جاتا تھا اور داغ دیا جاتا تھا۔ اگر دوبارہ چوری

کرتا تو بایں پر کاٹا جاتا۔ اگر تیسری مرتبہ چراتا تو قطع نہ کیا جاتا بلکہ قید کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ چوری سے توبہ نہ کر لیتا تھا۔

رہزنی کی سزا | اگر کوئی شخص رہزنی کا ارادہ رکھتا تھا اور ارادہ کی تکمیل سے پہلے گرفتار ہو جاتا تھا تو اس کو قید کر دیا جاتا تھا۔

ہاں تک کہ وہ اپنے رہزنی کے ارادے سے تائب ہو جاتا تھا۔ اگر رہزن کسی کو جان سے مار ڈالتا اور مال نہیں چراتا تو قتل کیا جاتا۔ معافی نہیں ملتی اور اگر کسی کو مار کر مال بھی چراتا تو اس کا دہنہا تھا اور بایں پاؤں کاٹ کر مار ڈالا جاتا تھا یا سولی پر چڑھایا جاتا تھا۔ یہ صرف جان سے مار دیا جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہاتھ پاؤں کاٹنے نہ کاٹنے وغیرہ کا پورا اختیار حاکم کو ہوتا تھا وہ جس طرح چاہے کرے۔ رہزن کے معین و مددگار کو بھی یہ سزائیں دی جاتی تھیں۔

یانگیوں کو سزا | جو قوم مسلمان بادشاہ اسلام کی فرمانبرداری سے منحرف ہوتی تھی تو اس کو بادشاہ سمجھاتا تھا اور ان کے شبہات دور کرتا تھا۔ اگر وہ ایک مکان میں جمع ہوتے تھے تو ان سے جنگ کی جاتی تھی اور ان کے سردار کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جاتا تھا۔

قتل کا قصاص | اگر کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہوتا تو ان سے قصاص لیا جاتا تھا۔ اگر آزاد آدمی غلام کو قتل کرتا تھا تو آزاد کو قتل کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہ ہوتی تھی۔

قصاص اس صورت میں بھی واجب ہوتا تھا کہ اگر ایک شخص دوسرے

شخص کو زخمی کیا اور وہ صاحب فراش ہو کر مرنے لگا اور جو شخص مسلمان پر تلوار کھینچا تھا اس کا قتل بھی واجب تھا۔ اگر چور مال لے کر گھر سے بھاگتا ہو مالک کے ہاتھ قتل ہو جاتا تو مالک سے قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

قصاص سے مستثنیٰ ہونیکے اشکال | اگر کوئی شخص کسی کو عمدتاً قتل کر دیتا اور اس پر قتل عمد

شہادت یا اقرار سے ثابت ہو جاتا تو حاکم قصاص کا حکم نہ دیتا تھا۔ جب تک ان شرائط پر غور نہ کر لیتا تھا۔

(۱) یہ کہ قاتل عاقل اور بالغ ہے۔

(۲) مقتول مسلمان یا ذمی ہو۔

(۳) یہ کہ تمام وارث حاضر ہوں۔

(۴) سب وارث قصاص کے خواہاں ہوں اگر ایک وارث بھی دین کا

خواہاں ہو تو یا معاف کر دیا یا کسی قدر مال لے کر صلح کرنا چاہتا تو قصاص قطع ہو جاتا تھا

(۵) سمجھ وارث بالغ ہوتے کچھ نابالغ ہوتے اور ان میں بعض بالغ

قصاص چاہتے اور کچھ بالغ اور کچھ نابالغ عفو کرنا چاہتے یا کسی قدر رقم دین سے کم خواہاں ہوتے تو نابالغین کے بلوغ تک حکم قطعی ملتوی رکھا جاتا تھا۔

(۶) یہ کہ قاتل مقتول کے اصول میں سے ہوتا۔ جیسے باپ۔ دادا۔

پر دادا۔ نانا۔ پرنانا یا باپ یا پردادی وغیرہ تو قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

(۷) قاتل کے ساتھ کوئی نابالغ یا مجنون قتل میں حصہ لیتا تو قاتل کا

قصاص ختم ہو جاتا تھا۔

(۸) قاتل کے ساتھ مقتول کا باپ یا اور کوئی اس کے اصول میں شریک قتل ہوتا تو قصاص واجب نہ ہوتا تھا۔

(۹) اگر قاتل کے ساتھ ایسا شخص شریک قتل ہوتا جس کا قتل شبہ یا خطا سے ہوا ہوتا تو قاتل پر قصاص ماقطع ہو جاتا تھا۔

(۱۰) مقتول کے قاتل پر تلوار یا کسی اور ہتھیار یا آلہ سے قبل قتل حملہ کیا ہوتا اور قاتل نے اپنی حفاظت کے لئے اس کو قتل کیا ہوتا تو اس سے قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

(۱۱) یہ کہ مقتول کوئی حرکت وقت قتل ایسی کرتا جس سے اس کا قتل مباح ہو جاتا جیسے قاتل کا مال چرانا یا اس کی بیوی سے زنا کرنا یا اس کے گھر میں بے اذن یا باوجود منع کرنے کے جبراً گھس آنا۔ ایسی شکلوں میں قاتل سے قصاص نہ لیا جاتا تھا۔

خود کشی کی سزا | اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ زہر ہے زہر کھاتا تھا تو اس کو قید کیا جاتا تھا اور تعزیر دی جاتی تھی۔ قید کی مدت اہم کی رائے پر موقوف تھی۔

زہر کھلانے کی سزا | اگر زہر زبردستی کھلایا جاتا تھا تو دیت واجب ہوتی تھی۔ لاعلمی کی حالت میں زہر کھلانے پر کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔

محبوس کر کے مارنے کی سزا | اگر کسی کو مجھڑے میں بند کیا جاتا اور وہ بھوک کے مارے مرجاتا تو اس کو تعزیر

دی جاتی تھی اور جس دائم الحیات کی سزا دی جاتی تھی۔

درندوں سے مروا نیکی سزا | اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو شیر کے سامنے یا کسی اور درندے کے سامنے

ڈالتا اور وہ اس کو چیر بھاڑ کر مار ڈالتا یا اس کو سانپ یا بھجوا یا کسی اور موزی کے تہ جھرے میں بند کر دیتا تو اس پر تضریر واجب ہو جاتی تھی اور جس دائم الجناہ کی سزا دی جاتی تھی۔

غرق کر کے مار نیکی سزا | اگر کوئی شخص کسی کو پانی میں ڈبوٹا اور وہ پانی اس قدر کم ہوتا کہ اس میں وہ نہ ڈوبتا اور باہر

نکل آتا لیکن نکل کر مر جاتا تو شبہ عہد ہونا تھا۔

مردہ عورت سے زنا کی سزا | اگر ایک مرد مردہ عورت کے ساتھ زنا کرنا تو تضریر دی جاتی تھی۔

شتر گاہ کے علاوہ دوسرے مقام پر زنا کر نیکی سزا | اگر کسی نے شتر گاہ کے علاوہ کسی جگہ

عورت کے دوسرے اعضا میں مباشرت کی ہوتی تو اس کو تضریر دی جاتی تھی اور قید کیا جاتا تاکہ وہ توبہ کر لے۔

گلا گھوٹنے والے کی سزا | گلا گھوٹنے والے کا قتل جائز ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی تھی۔

دیوار گرا کر ناموس کی سزا | جو شخص فساد کا عادی ہو اُس پر دیوار گرا دینا چاہئے۔

تغزیر چھٹی بازی | اگر مرد مرد کے ساتھ یا مرد عورت کے ساتھ یا عورت عورت کے ساتھ یا مرد خواجہ سرا یا محنت یا نامرد یا لڑکے کے ساتھ چھٹی بازی کرے تو تغزیر واجب ہوتی ہے۔

جلق لگانے کی سنرا | جلق حسام ہے اور جو شخص جلق لگائے اس کو تغزیر دی جائے گی۔

اغلام کی سنرا | اگر کسی کو اغلام کی عادت ہو تو امام کو اختیار ہے کہ وہ اس کو قتل کر سکتا ہے خواہ وہ بھن یا غیر بھن ہو

بندر سے مجامعت پر عورت کو سنرا | اگر عورت بندر سے زانیہ ہو کر اسے تو اس پر تغزیر واجب ہوگی

چارپائے کے ساتھ جماع کرنے پر سنرا | اگر کوئی شخص چارپائے کے ساتھ مباشرت کرے تو اس پر تغزیر واجب ہوگی۔

تیر سے موت ہو نیکی سنرا | اگر کسی نے تیر مار کر کسی کو مار ڈالا۔ اگر اس پر تیر کا پیکان پڑا تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔

گرم پانی میں ہلاک کر نیکی سنرا | اگر کوئی شخص بڑے دیگے میں پانی اس قدر گرم کرے کہ آگ کے مانند

ہو جائے پھر کسی شخص کو باندھ کر اس میں ڈال دے اور اس وقت اس کی کھال ادھڑ جائے اور وہ مر جائے تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔

بلند مقام سے گرا دینے کی سنرا | اگر کوئی شخص کسی کو اونچے یا بہت

گرا دے یا کنوئیں میں ڈال دے تو شبہ عہد کی سزا دی جائے گی۔
عورت کی شرمگاہ کاٹنے کی سزا | اگر کسی عورت نے کسی عورت کی
 شرمگاہ کاٹ ڈالی اور موجب
 سلسلہ ابول ہو گئی یا قابل جماع نہ رہی تو دیت واجب ہوگی۔

ساحرا اور زندہ درگور کی سزا | اگر کسی کو کوئی زندہ درگور کر دیتا اور
 وہ مر جاتا تو اس پر دیت واجب ہوتی
 تھی۔ ساحر موجب پکڑا جاتا اور اقرار کر لیتا تو قتل کیا جاتا تھا۔

اعضا کاٹنے کی سزا | اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالتا تو اس کا بھی
 ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ یہ اس کی سزا
 ہوتی تھی۔ دانت توڑنے پر دانت توڑا جاتا تھا۔ ہڈی توڑنے پر قصاص
 واجب نہ ہوتا تھا۔

بصارت دور کر نیکی سزا | اگر کوئی کسی کی آنکھ کی روشنی ضرب سے
 ختم کر دیتا تو اس کا قصاص اس صورت

سے لیا جاتا تھا کہ ضارب کے منہ پر بھیسگی روئی ڈالی جاتی تھی اور اس کے
 آنکھ کے مقابل گرم آئینہ رکھا جاتا تھا جس سے اس کی بصارت چلی جاتی تھی
 ناک، ذکر، اور حشفہ کاٹنے، قوت
ناک وغیرہ کاٹنے کی سزا | سامعہ یا ذال فقر یا شامہ یا باصرہ

جلنے یا سر کے بال مونڈنے اور انسانی عضو جو دوسروں مثلاً ہاتھ، آنکھ
 پاؤں، کان، ہونٹ اور چاروں پلکیں تلف ہونے پر دیت واجب ہوتی تھی

اگر ایک آنکھ، پاؤں، کان، ہونٹ اور فوطہ تلف ہو جاتا تو دیت واجب ہوتی تھی۔ ایک انگلی تلف ہونے پر پاؤں کی کیا ہاتھ کی ہونے ہواں حصہ دیت کا ہے۔ ہر دانت کے تلف ہونے پر بیسواں حصہ دیت کا ہے۔

استقاط محل کی سزا | اگر کوئی شخص کسی عورت کے پیٹ پر ضرب لگاتا اور

بچہ مردہ نکل پڑتا تو ضارب کی عاقبتہ پر غرہ یعنی بیسواں حصہ دیت پانسو درم لازم آتے تھے جو ایک سال تک وصول کئے جاسکتے تھے اور جو بچہ زندہ پیٹ سے گر جاتا اور مر جاتا تو پوری دیت نفس واجب ہوتی تھی اور جو بچہ مردہ نکلتا پھر اس کی مر جاتی تو غرہ اور دیت دونوں واجب ہوتی تھیں۔

اہل محلہ کو قتل کے الزام پر سزا | وہ مردہ جس پر ضرب لگایا جواحت کا اثر ہوتا یا گلا دبانے کا نشان ہوتا

یا آنکھ کان سے خون بہتا ہوا کسی محلہ میں پڑا یا پایا جاتا اور اس کا قاتل نامعلوم ہوتا اور ولی مقتول قتل کا دعویٰ اہل محلہ کرتا یا بعض زینوولی کا اس آدمیوں کو محلہ والوں میں سے چھانٹتا اور ان سے یہ قسم لی جاتی تھی کہ واللہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے قاتل کو ہم جانتے ہیں جب اہل محلہ حلف لے لیتے تھے تب ان پر دیت کا حکم دیا جاتا تھا۔ اگر اہل محلہ پچاس سے کم ہوتے تو ان سے قسم لی جاتی تھی اس طرح کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔ اگر کوئی شخص اہل محلہ میں سے قسم کھانے سے انکار کرتا تو اس کو اس وقت تک جیہیں رکھا جاتا تھا جب تک کہ وہ قسم نہ کھا لیتا تھا۔

قتل جانور کی سزا | اگر مقتول جانور ہوتا تھا اور اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا یا سوار یا کھینچنے والا ہوتا تو اس کی دیت ساتویں یا قائد یا راکب کے عاقل پر ہوگی۔ اگر تینوں ہوں تو ان سب کو دیت دینی پڑتی تھی۔ قتل خطا کی دیت سواونٹ اور کفارہ قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت **دیت** | ایک غلام مسلمان آزاد کرنا تھی اگر اس سے عا جسزہ ہو تو دو مہینے پہلے درپے روزے رکھنا تھا۔

مقدار دیت ایک ہزار دینار یا شکل سونا اور دس ہزار درم بہ شکل چاندی۔ اور شکل اونٹ سواونٹ تھی۔

تضریف کے طریقے | تضریف کبھی قید کرنے سے دی جاتی ہے کبھی طمانچہ مارنے، کبھی کان اینٹھنے، کبھی سخت کلامی اور کبھی عالم کی تیز نگاہ، کبھی قتل کرنے، دزدے لگانے، قید کرنے، گھر سے نکالنے اور مجرم کے مال کو قرق کرنے سے دی جاتی۔

سولی پر چڑھانے کا طریقہ | رہزن اور ڈاکو کو سولی پر چڑھا کر اس کے پیٹ کو نیزے سے پھریٹے اور تین دن تک اس کی لاش کو سولی پر رکھتے تھے تاکہ لوگ اس کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

بہتان و گالی کی تضریف | اگر کوئی شخص کسی کو اے چوڑے، اے قحبہ زادے، چود اور زانیوں کے سردار، اے دیوت کٹنے، بھیڑے، لونڈی باز، خاق، شراب خواہ، سود خواہ کہتا تھا تو

تخیر کیا جاتا تھا۔

تخیر کی سزا زیادہ سے زیادہ اٹالیس (اور کم از کم تین کوڑے تھے) امام کو جائز ہے کہ ضرب اور حبس دونوں تخیر کے طریقے جائز رکھے۔ تخیر کی ضربیں زنا کی حد اور شراب کی حد سے سخت ہوتی تھیں۔

اگر کوئی شخص تخیر یا حد سے مرجاتا تو اس کا خون ضائع سمجھا جاتا تھا۔ یا اگر شوہر اپنی زوجہ کو تخیر دینے میں مار ڈالتا تو شوہر پر خون بہا لازم آتا تھا۔

جو شخص شرب پتیا تھا اور عدالت میں اس کی سزا پائی نہ تھی تو پتیا کو پہنچ جاتی تو سزا نوش کو اگر وہ آزاد ہو تو

شراب خوری

اسی کوڑے اور غلام ہو تو چالیس کوڑے لگائے جاتے تھے یہ کوڑے حد زنا کی طرح مجرم کے بدن پر سرسراٹھے، اور شرمگاہ بچا کر کپڑے اتار کر لگائے جاتے تھے۔

اگر کوئی منکوحہ عورت مرتد ہو جاتی تو اس کا نکاح اپنے خاوند سے فسخ ہو جاتا تھا لیکن

مسلم منکوحہ مرتد کی سزا

نہ اس حد تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ بلکہ وہ حقیقی طور پر اپنے پہلے خاوند کی بیوی رہتی اور از روئے شرع اسلام اس کو قید کیا جاسا اور اس وقت تک قید رکھا جاتا کہ وہ توبہ کر لیتی اور دوبارہ اسلام قبول کر لیتی۔ تب اس کے خاوند کے ساتھ اس کے نکاح کی تجدید کی جاتی تھی۔

مرتد اسلام کو مسلمان ہونے کی تلقین کی جاتی تھی اور اس کے شبہات دور کئے جاتے تھے۔ انکار کی صورت میں تین دن تک قید کیا جاتا تھا۔ پھر بھی نہ کار کرتا تھا تو قتل کیا جاتا تھا۔

جو شخص تین مرتبہ مسلمان ہو کر مرتد ہو جاتا تھا اور چوتھی مرتبہ مرتد ہوتا تو اُس کو تلقتین نہ کی جاتی تھی بلکہ قتل کیا جاتا تھا۔

ہندو قیدی جیل میں بھوکے رہتے تھے | ہندوؤں کے مذہب میں قید کی حالت میں

کھانا نہیں کھاتے تھے اس بناء پر ساہو جو نیمہ میں شاہی خیمہ کے ساتھ رہتا تھا صرف مٹھائی اور میوہ پر بسر کرتا تھا۔ عالمگیر کو جب یہ حال معلوم ہوا تو حمید اللہ خاں کو بھیجا کہ ساہو سے کہو کہ تم قید میں نہیں ہو بلکہ اپنے گھر میں ہو اس لئے تم کو بلا تکلف کھانا کھانا چاہئے۔

عالمگیر بھی شاہی قیدیوں کو آگرے کے قلعے | عالمگیری قید خانے اور گوالیار کے قلعے میں مقید کرتا تھا۔ چنانچہ

داراشکوہ، سلیمان شکوہ، سپہر شکوہ اور مراد کو اور مراد کے چھوٹے بیٹے کو قلعہ گوالیار میں قید کیا تھا اور شاہجہاں اور اس کی بیٹی جہاں آرا کو آگرہ کے قلعے میں نظر بند کیا تھا۔

شاہجہاں کی قید میں حالت | شاہجہاں آگرہ کے قلعے میں کس مشیت رہتے تھے اُس کی حالت

عالمگیر کے دشمن برہنہ کی قلم سے سنئے۔ وہ لکھتا ہے :- اورنگ زیب کا بڑا و شاہجہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب کے خلی تھا۔ اور حتی الامکان وہ اپنے بڑے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا تھا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا تھا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات

میں اس کی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا اور اس کے عربیوں سے جو اکثر لکھتا کرتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی ہے۔ شاہجہاں بھی بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا تھا۔ بلکہ اپنے باغی فرزندوں کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کر کے ان کو دعائے خیر میں یاد کرتا تھا۔

جرئیہ کے مطالبہ داران کا جیل خانہ | عالمگیر جبریہ کی وصولی کے لئے بہت مستعد رہتا

تھا۔ چنانچہ جو شخص جبریہ نہ دیتا تھا اس کو قلعہ ارک اور چوک کے قریب جو سڑک ہے اس میں جبریہ کے مطالبہ داران کو مقید کرتا تھا۔

شیواجی کا طریقہ انصاف | آجکل کی سی عدالتیں اس وقت نہ تھیں لوگ اپنے جھگڑے نچایتوں میں طے کر لیتے تھے۔ سرکاری ملازموں کو رشوت لینے اور ظلم کرنے پر سخت سزائیں ملتی تھیں۔ سپاہیوں کے جھگڑوں کو ان کے افسر طے کرتے تھے۔

اورنگ زیب کے بعد حکومت مغلیہ کا زوال ہونا شروع ہو گیا۔ بہادر شاہ ابن اورنگ زیب نے پانچ سال اور جہاندار شاہ ابن بہادر شاہ نے ایک سال اور فرخ سیر نے آٹھ سال حکومت کی۔ کیا عدل و انصاف کے طریقوں میں ترمیم، تسبیح یا اصلاح کرتے اپنی زندگی کی خبر نہ تھی۔ البتہ فرخ سیر کے عہد میں ہندو کے مظالم اور اس کو تعزیراً مارے جانے کا واقعہ اپنی نوعیت کا ایک ہے۔

لاشیں نکلوا کر درندوں کو کھلانا | ہندو سکھوں کا سردار بہادر شاہ اور فرخ سیر کے عہد میں گذرا ہے اس نے

لوگوں پر بڑے ظلم کئے۔ اکثر مسجدیں توڑ ڈالیں اور مولویوں کو قتل کیا اور بلا لحاظ عمر اور جنس کے دیگر قوموں کے لوگوں کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ بلکہ مردوں کی لاشوں کو قبروں سے نکلوا کر درندوں کو کھلوا یا۔ اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے بچوں کو زمیں پر دے مارا۔ بہادر شاہ کے عہد میں وہ بچ کر بھاگ گیا تھا۔

۱۸۵۷ء میں فرخ میر کے عہد میں اپنے ۴۰ ہزار سپاہیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر دہلی آیا

یہاں پر سب کو بھڑکی کھال پہنا کر اونٹوں پر بٹھا کر سارے شہر

جسم انسانی کو گرم چمپے سے نوحیا

میں تشہیر کرائی گئی اور پھر سات دن تک اُسکے ساتھ قتل کو جاتے رہے بند کو تاش جابہ پہنا کر سرخ پگڑی باندھ کر لوہے کے پتھرے میں بند کیا اور اس کے گرد بھانوں پر اس کے ساتھیوں کے سر تھکے جو پٹی اس نے پالی تھی اسے بھی مار کر ایک بھالے پر لٹکا دیا تھا۔ جلا دنگی تلوار لے کر پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے اُس کے چھوٹے بچے کو ذبح کیا اور اس کا کلیجہ اس کے پاس پھینک دیا اور پھر گرم چمپوں سے نوح کر بند کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

۱۹۱۷ء میں محمد شاہ تخت نشین ہوئے انہوں نے رنگیلے کا خطاب پایا۔

ان کے بعد احمد شاہ نے ۶ سال حکومت اور عالمگیر ثانی نے سلسلہ تک، سال حکومت کی۔ کیا کرتے۔ ان کے عوض سیرنگا پٹم میسور میں حیدر علی اور اس کا بیٹا پٹو بزرگوں کی شان قائم کئے ہوئے تھے ان کا عدل و انصاف اور سزا دینے کا طریقہ قابل ذکر ہے۔

طریقہ عدالت ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچایت مقرر تھی۔ قدیم دستور

کے مطابق ہر قریب میں پٹیل تنازعات کا نچایت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا۔
 قلعوں اور قلعوں میں عامل اور آصف فیصلہ کرتے تھے۔ اگر فریقین مقدمہ کو
 اس سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اس کے بعد سلطان تک
 پہنچایا جاتا تھا۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے۔ ایک مسلمان اور ایک ہندو
 مسلمانوں کو شرعی مقدمات کے لئے شہر میں قاضی مقرر تھے اور یہ بھی
 پنجابیت کے ذریعہ فیصلہ کرتے تھے۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک
 پہنچاتے جاتے تھے۔ خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے
 پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کے فیصلہ کے مسلمانوں
 کو غشیات سے دور رکھنا بھی تھا۔ اس زمانہ میں مقدمات شاذ و نادر فیصلہ کے
 لئے آتے تھے کیونکہ چوروں اور چرموں کو سخت اور عبرت ناک سزائیں دی جاتی
 تھیں جس سے دوسروں کو ارتکاب جرم کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

چور کا پتہ چلانے سے بیشتر چوری گیارہواں اسباب تلاش کیا جاتا تھا اور
 یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی طاعنی عاملان حکومت کی تنخواہ سے نہ پوری کیا جائے
 اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذ و نادر ہوتے تھے
قسم نہ لی جاتی تھی
 جب مقدمہ پیش ہوتا تو مدعی مدعا علیہ دونوں عدالت
 میں حاضر ہو کر اپنے بیانات دیتے اور تائید میں سندرات پیش کرتے گواہوں کا
 بیان لیا جاتا مگر ان سے قسم نہ لی جاتی تھی۔ تمام مقدمہ سنکر نچایت کے لوگ اس کی
 تحقیق کرتے اور جج کو اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کا روایتی زبان ہی ہوتی فریقین
 سے محلک ضمانت کے لئے جاتے تھے کہ وہ نچایت کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

لڑکی چھیننے کی سزا | حیدر علی کے عدل و انصاف کی روایات بھی اسی قدر شہور ہیں جس قدر ان کی بہادری کے

واقعات۔ ایک روز حیدر علی کو تپہ پور میں ہوا غوری کے لئے نکلے راستہ میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کی کہ ان کی عرضی کی داد نہیں ملی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ عرضی بیگیوں کے سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں دی گئی تھی اور کیفیت یہ تھی کہ قیدیوں کے سردار آغا محمد نے اُس کی لڑکی چھین لی تھی۔ حیدر شاہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اس کی لڑکی کو طوائف بنایا۔ اور اسی لئے پیش نہ کرنے کا حیلہ کیا۔ نواب نے کل واقعات دریافت کر کے حیدر شاہ کو دو سو کوڑے لگا کر معز دل کیا اور آغا محمد کا سر قلم کیا۔ کہ آئندہ کوئی رعیت کو نہ ستائے۔ لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

کوڑے کی سزا کا اہتمام | نواب نے خاص خاص مجرموں کو سزا دینے کے لئے دو سو تپھی ملازم رکھے تھے جن کا

کام مجرموں کو کوڑے لگانا تھا۔ اس طریق سزا دہی میں ایسے غریب، سپاہی اور فوج سب برابر پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو حیدر علی نے بھی اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے۔

منشیات کا خاتمہ | حیدر علی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تارہی افیون وغیرہ پر حسب معمول اور قدیم طریقہ پر محصول یا

جاتا تھا۔ جب سلطان ٹیپو تخت نشین ہوئے تو نشہ کی چیزوں کو فروخت کرنے کے لئے لائسنس حاصل کرنے کا فرمان جاری کر دیا اور بغیر لائسنس لئے کوئی شخص

ان کی خرید و فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ خلاف وزری کرنے والے کے لئے سخت سزا مقرر تھی۔ اسی طرح جب منشیات پر پابندیاں عائد ہو گئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سلسلہ میں سن اور خلیجیاش کی کاشت کرنا بند کر دی گئی اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی بونے کی اجازت نہیں تھی۔ صندوق کے درخت جس سے ٹاری نکلتی ہے تمام سلطنت میں کٹاؤں تھے۔ اور احکام جاری کئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ بولے۔

سلطانی محل کا قید خانہ | سرنگاپٹم کے قلعہ کے اندر شمالی فصیل سے ملے وہ قید خانے ہیں جن میں انگریز قیدیوں کو بند کیا گیا تھا۔ انگریز اس کو تعصب اور انتہائی طور پر ڈنجن کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ مکانات فصیل قلعہ میں زمین کھود کر بنائے گئے ہیں۔ اس کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ قلعہ کے گارد کے سپاہیوں کے پہرے بدلنے کی جگہ اور شہر کا قید خانہ نہیں اس میں ڈریں اور سختیاں رکھنے کے مچان اینٹوں موجود ہیں۔ سامنے وسیع صحن ہے جس میں روشنی اور ہوا کا لگد ہے اور تاریکی بالکل نہیں ہے۔

انگریزوں کا قید ہوتا | مسٹر جے مری جو اس جیل خانہ میں رہا ہے۔ اپنی کتاب میمورس آف دی لیٹ وار میں لکھتا ہے ”ہمارا قید خانہ میسور کے کمسن راجہ کے وسیع محل کے قریب تھا محل کے سامنے میدان کے مشرق کی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریز قیدیوں کو سلطانی محل کے چھت پر چلتے ہوئے دیکھ سکتے تھے“

مگر اس کی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ ہم نے ۲۷ دسمبر ۱۹۸۳ء کو دوسرے کاٹماشہ دیکھا۔ جب کہ میسور کا راجہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا دوسرے کے کھیل تماشے دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ فرل بیلی ایک مسافر خانہ میں قید تھا۔ جان میٹھیوز اور میرڈ دوسری جگہ تھے تمام سپاہیوں کو علیحدہ علیحدہ ایک مربع کمرہ میں قید کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہر کے مختلف حصوں میں قید خانے تھے

فراخ صحن قید خانہ | ہمارا قید خانہ دراصل ایک گھر تھا جس میں ایک فراخ صحن تھا اور اس کے گرد اٹھارہ فٹ کی

ٹی کی بنی ہوئی چار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے۔ بات کرنے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اُس کے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جو ان پر متعین تھے ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے تھے۔

کپڑے دھوبی دھوتا تھا | ایک دھوبی جو ہمارے کپڑے دھونے پر متعین تھا اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسہ بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیٹریاں ڈال کر رکھا جاتا تھا لکھنا سادہ دیا جاتا تھا۔

بیماروں کو دوایاں دی جاتیں | بیمار ہونے پر بازاری ادویات دی جاتی تھیں ننھے بڑھنے

کے لئے کتابیں جہانہ تھیں۔ فرنیچر پلنگ، کو سی خود بنا لیتے تھے۔ بیلی ادو جنرل میٹھیوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں مر گئے۔ فر نرڈ رینی اور سیامن ان تینوں افسروں کو میسور لے جا کر قتل کر دیا گیا

رہائی کی خوشخبری | قید خانہ کا افسر سید ابراہیم قیدیوں پر نہایت مہربان تھا۔ ہم اس قید کی حالت میں دن گزار رہے

تھے۔ کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے ہم کو اکڑ خوشخبری سنائی کہ سلطان اور انگریزوں میں صلح ہو گئی۔ اور ہم کل رہا ہو جائیں گے۔ اس خبر کو سن کر ہم نے ہلے پاس جو کچھ پیسہ تھا اس کو جمع کر کے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی۔ رات بھر اسی خوشی میں ہم کو نیند نہ آئی۔ صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا۔ ہم ایک پر ایک گرے پڑتے تھے کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں۔ یہاں تک کہ ہم جو بالکل دوست بنے ہوئے رہتے تھے بیڑیاں جلد کاٹنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ آخر کار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لے جایا گیا۔ محل میں ہمارے نام لکھ کر ہم کو گرل بریت واسٹھ کے قید خانہ کو بھیج دیا۔ شام تک یہاں تمام یورپین جمع ہو گئے اور ہم قلعہ سے نکل کر سو منات پینٹ پہنچے جو دو میل کے فاصلہ پر ہم کو یہاں اجازت دی گئی کہ بازار دیکھیں اور دریا سے کاویری میں غسل کریں۔

قید سرنگاپٹم کی یاد | جیسے اسکی جان میڈوسن کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا جس کے بعد وہ

انگلستان گیا۔ یہاں شیر پائی موتھ میں اس نے ایک دوکان کھولی تھی۔ مصنف لکھتا ہے کہ جیسے مکان پر بیٹھا ہوا آپر بھر رہا تھا کہ کاش پھر اس کو سرنگاپٹم کی قید نصیب ہو۔

پالیگاروں کے قلعہ میں قید | سیاسی مجرموں کو جس میں منہ و بی

ہونے لگے۔ ہندو پالیگاروں کے قلعہ میں قید کئے جاتے تھے چنانچہ متھک
سیسائی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے
نام دے گئے ہیں جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں قید تھے ورنہ سلطنت خداداد^{۱۷۱}

انسان کو بطور طوطے کے پالنا | رانی اکھنڈے رافو (جو حیدر علی
کا نمک خوار تھا) مرہٹوں سے

سازش کی اور حیدر علی اپنی جان بچا کر بگلوڑ بھاگا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت
حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے۔ حیدر علی نے جلد فوجوں کو جمع کیا اور جنگ کی
جس میں اکھنڈے رافو کو شکست ہوئی۔ رانی کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا
کہ اکھنڈے رافو کو بطور ایک طوطے کے پالے گا۔ چنانچہ اکھنڈے رافو کو ایک
لوہے کے خیرے میں بند رکھ کر دودھ اور چاول دیتا رہا۔

رجسٹرنگھ کے فیصلہ مقدمات کا طریقہ | رنجیت سنگھ کے دور
۱۸۳۹ء میں علیحدگی

کی رہبری کے لئے کوئی خاص ضابطہ نہ تھا۔ رسم دروارج کے مطابق سارے
مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ فوجداری مقدموں میں سزا کی مقدار افسردالت
کی طبیعت پر منحصر تھی۔ بہت سے جرموں کے لئے جرمانہ کی سزا تھی جو جہازہ
کے خزانہ میں داخل کیا جاتا تھا۔ کچھ جرائم میں مجرم کے مختلف اعضاء بھی کاٹ
دئے جاتے تھے۔ قید رکھنے کی سزا کے ان دنوں کچھ معنی نہ تھے اور اس وقت
اس کو فضول خرچی ہی سمجھا جاتا تھا۔ سخت جرائم میں ہاتھ پائوں، ناک کان وغیرہ
کاٹ دئے جاتے تھے۔

مقدمہ کی قسم کے طریقہ | اسی عہد میں اضلاع یو۔ پی میں انگریزی عملداری سے پہلے قسم سے دو طریقے تھے۔

(۱) اکثر معاملات سنگین میں جس پر الزام لگایا جاتا تھا وہ پیل کے پتے کو ہاتھ میں رکھ کر آگ میں گولا آہنی گرم کر کے رکھ دیتا تھا جو کوئی جھوٹا ہوتا وہ جل جاتا۔ آگ میں قدم سے سو قدم تک گولہ اٹھا کر لے جاتا ہوتا تھا۔ اس طریقہ قسم کو گولا اور دب کہتے تھے۔

(۲) یہ تھا جو کس سرحد کے تصفیہ کے واسطے اختیار کیا جاتا تھا گنگا جہل غسل کر کے معہ بھگی دھوتی کے پیل کا چمڑہ پہن کر یا سر پر رکھ کر پیٹے کو گود میں لے کر سرحد سے نکالتے تھے۔ اس قسم کو ٹوٹو مٹی کہتے تھے۔

موشی بارہ میں قید کرنا | تا ۱۸۵۲ء میں ضلع بھنڈارہ سی پانی کے

اندر موشی بارہ میں رکھا جاتا تھا ان کے ہاں موجودہ عدالتوں کا سسٹم رائج نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت کی جو حالت مصنف امپیریل کنسٹریٹر آف انڈیا نے لکھی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

بھنڈارہ میں مقررہ قانون کے مطابق عدالتیں قائم نہ تھیں بلکہ وہاں کے اہل دولت و ثروت پٹیل لوگ اپنے خیال کے مطابق انصاف کرتے تھے۔ حق وراثت کے مقدمات بڑی کے رواج کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ پندرہ سو سے زائد رقم کے مقدمات عام طور پر راجہ کے سامنے پیش ہوتے تھے

مدعی اور مد عالیہ دونوں کو ایک چوتھائی فیس گورنمنٹ کو ادا کرنی پڑتی تھی۔ یہی ذاتوں میں ان کے سردار اور سیٹھان کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اور ان مقدمات کی اپیلیں جو کہ دیوانی کی ہوتی تھیں ان کو سرداروں کی اکبلی سنٹی اور فیصلہ دیتی تھی۔ مدعی سرداروں کی نچایت کے سامان خورو نوش اور نمبا کو کے خرچ کا ذمہ دار تھا گوئد برادری کے لئے بیر شراب آتی اور ایک چھو ترہ پر ہادیو کا بت نچایت میں رکھا جاتا جہاں کسی قسم کو پاکیزگی اور تقدیس دیکھائی تھی چوروں اور ڈاکوؤں کو ان کا سامان ضبط کر کے سزا دی جاتی تھی اور پٹریاں ڈال کر مویشی باڑہ میں مقید کر دئے جاتے تھے۔ دوسرے جرائم میں ہاتھ، ناک، انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں۔

اب یہ وہ زمانہ آگیا تھا جب خلیہ خاندان کا ٹٹاٹا ہوا چراغ گل ہو جائے اور آخری بادشاہ قید ہو۔ ظفر شاہ بہادر شاہ کی عثمانک گرفتاری اور سترادوں کی المناک شہادت کن طریقوں سے ہوئی وہ اب آپ دور حکومتِ برطانیہ میں دیکھیں

ماہِ حاصل

قدیم جیل خانے | قدیم ہندوستان کی تاریخی کتب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کراس دور میں موجودہ وضع قطع کے جیل خانے نہ تھے اور اس زمانہ میں جیل خانے قلعوں میں ہوا کرتے تھے۔ بادشاہی قیدیوں کو تہ خانوں سرنگوں، تنگ تاریک کوٹھڑیوں یا سرداروں کے مکانوں یا کنوؤں اور غاروں میں

منقید کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ ”قصر سفید“ کے بارے میں مولانا بشیر احمد صاحب مصلح دار الحکومت بمبئی لکھتے ہیں
 ”۱۲۰۵ء میں جب کراے پتھور کو مرے ہوئے سوطا بریں ہوئے تھے قطب الدین ایک
 نے ایک محل جو بارغ میں قصر سفید کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تھا جو محض تخت نشینی یا درباری یا
 سفر و ایلمیان کیلئے مخصوص نہ تھا بلکہ کبھی کبھی اس میں ذی مرتبت لوگ قید بھی رکھے جاتے تھے چنانچہ
 بہرام شاہ کا جانشین سلطان علاؤ الدین اس محل میں نظر بند تھا۔“

اسی طرح مرزا غریز کو کلداس کو اکبر کے رضاعی بھائی تھے آئین داغ کی مخالفت پر تنگ آکر
 اکبر نے حکم دیا کہ تم ہمارے سامنے مت آؤ کئی دن بعد ان کو اگر بھیدیا کہ اپنے باغ میں ہیں
 اور آمد و رفت کا دروازہ بند یہ نہ کہیں جائیں نہ کوئی ان کے پاس ہے نہ کوئی ان کے
 پاس ہے۔ باغ مذکورہ کا ”باغ جہاں آرا“ نام تھا ۱۰۳۶ء میں خان خانان کو جہانگیر نے
 جہان بخت خاں کے مکان میں نظر بند کیا تھا۔ غاروں مکانوں کنوؤں فصیل کے حجرہوں تھانوں
 زہر کے حوض میں منقید کرنے کے واقعات سلسلہ وار ہر دور میں چکے ہیں ان کو مزید دہرانے
 کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر کیف مجموعی اعتبار سے اس دور میں جیل کی سزا کو کوئی اہمیت نہیں
 دیکھائی تھی اور نہ زیادہ تر مجرموں کو جیل خانے میں بھیجا جاتا تھا۔ بلکہ فوری مقررہ سزا دیکھائی تھی
 اور سزا دینے میں دیر کرنا عیب سمجھا جاتا تھا جسکی وجہ سے اس دور میں موجودہ زمانے کے مقابلہ
 میں جرائم کم ہوتے تھے قلعہ میں قیدیوں کی قابل اطمینان حفاظت ہوتی تھی۔ اسی لئے ان کو
 قلعوں میں رکھا جاتا تھا بلا شک موجودہ جیلوں کے مقابلہ میں قیدیوں کو رکھنے کو وہ اتنے سزا
 کہا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ سلاطین غزنوی ہندوستان میں آئے اور یہاں انھوں نے اپنے اپنے
 وضع کیے جیل خانوں کو رائج نہیں کیا حالانکہ اس دور میں غزنی کے اندر بہترین محفوظ نظام کو اپناتے تھے

ہندوستان کے انگریزی دور کی تاریخِ جرم و سزا

انگریز تاجر ہندوستان میں پہلی مرتبہ ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں آئے جنہوں نے مغربی ساحل کے نزدیکی مقامات پر تجارت کرنے کے لئے مغل بادشاہ سے معاہدہ کیا ان کی پہلی تجارت گاہ مدراس تھی۔ مدراس کو گونرکینی نے (جو لندن کی تاجروں کی کمپنی تھی) اور مشرقی جزیرے میں تجارت کرتی تھی) معاہدہ کی رو سے ایک ہندو حکمران سے حاصل کیا یہ کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھی۔ بعد میں انہوں نے بمبئی اور کئی صوبوں کے مقام بھی لئے۔ ان کی مشغولیتیں صرف تجارتی تھیں۔ ان کو اگر کوئی نقصان پہنچاتا تو وہ اس کو برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ ان کی فرانسیزیوں سے تجارتی معاملہ بڑھ بھڑھوتی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۷۵۷ء میں انگریزوں نے پانڈے چری پر قبضہ کر لیا جس سے ان کی تجارت میں ترقی ہوئی۔ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو مزید اقتدار حاصل ہوا۔ اس نے بنگال میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔

کمپنی کی خود مختاری کا دور | یہ وہ دور تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم اور افسران خود مختار تھے

معمولی معمولی حیثیت کے لوگ جو چاہتے وہ کرتے۔ چنانچہ مسٹر گرے مشہور مورخ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمان کی بے ضابطگی اور بدنیتی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انیسویں صدی کی ابتدا تک یہ قاعدہ تھا کہ لڑائی میں جو کچھ لوٹا جاتا تھا اسے کمپنی کے گمشدے، فوجی افسروں اور مقامی شاخوں کے

داروغہ نہایت آسانی کے ساتھ آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ لندن میں کپٹنی بہادر کے ڈائرکٹروں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں انگریز بہت خیس ہو کر گرتے تھے۔ معمولی آدمی چند شلنگ سے زیادہ خرچ نہ کرتا تھا۔ وہ اپنے گھروں میں ناجائز طریقوں سے روپیہ بچنے کا انتظام کیا کرتے تھے۔

اس بدیتی اور خستہ حالی کی بھرپور رائے کی ڈائری بھی شاہد ہے جس کی سطور یہ ہیں :-
جب ہم نے سو مبر کے قلعہ کو فتح کر لیا تو بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ ہم جب اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا خزانہ جو نہ خانہ میں بند تھا پہلے ہی دیسی فوج اپنے ساتھ لی گئی اور ہمارے لئے کچھ نہیں بچا۔ بڑی شکل سے کوئی چھ ہزار کی مالیت کا سامان ملا جو ہمارے جیسے افسروں کے لئے یقیناً ایک بڑی نعمت تھا۔ ہم بیچاروں کو صرف روزانہ ملتے تھے۔

۱۷۶۶ء میں جماعت ڈائرکٹران نے اپنی رپورٹ میں لکھا۔
ہمارے نزدیک اندرون ملک کی تجارت سے جو کثیر دولت حاصل کی گئی ہے وہ انتہائی ظالمانہ اور جاہلانہ طریقوں کے استعمال کا نتیجہ ہے اور جس کی نظیر کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہ ملے گی۔
لارڈ کلاؤ کہتا ہے :-

اُس قدر بد عملی، رشوت خواری اور زیادہ ستانی کا منظر ہم نے کبھی
کے کسی ملک میں دیکھا یا سنا نہیں گیا۔

لارڈ میکالے لکھتا ہے :-

اس طریقہ سے بے شمار دولت بہت جلد کلکتہ میں جمع ہو گئی۔
درانحالیکہ تین کروڑ انسان حد درجہ برباد کر دیے گئے بے شمار
لوگوں کو مظالم پہننے کی عادت تھی مگر وہ مظالم اس قسم کے نہ تھے
کمپنی کی چھوٹی انگلی انہیں سراج الدولہ کے پٹھے سے زیادہ معلوم
ہوتی تھی۔

۱۷۹۲ء میں نواب نیگال نے انگریزی گورنر کو مندرجہ ذیل انگریزوں کی کمائی کے
طریقے لکھے تھے :-

کمپنی کے ملازمان رعایا اور سودا گروں کا مال چوتھائی قیمت پر لے لیتے ہیں
اور اپنے ایک پوے کے سامان کی قیمت کے ان پانچ روپے وصول کرتے ہیں
برکوس بھی اپنی قلم سے اس زمانہ کی تصویر کھینچتا ہے -

یہ مال خزانے کے روڑوں آدمیوں کی حدیجوں کی کمائی انگریزوں
نے ضعیف کر لندن اسی طرح بھیج دیا جس طرح روس نے یونان اور
لوننس والے بھیج دیتے تھے ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے
کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا لیکن وہ کروڑوں اشرفیاں
ہوں گی۔ اتنی دولت اس وقت مجموعی یورپین دولت سے بہت زیادہ تھی
سچان نشو ۱۸۳۳ء میں لکھتا ہے :-

انگریزوں کا بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ ہر صورت میں
ہندوستانی قوم کو اپنی اغراض کا غلام بنایا جائے ان پر مشیروں

اتنے لگاؤ سے ہیں کہ اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

رشتہ ستانی کا زور | چنانچہ انگریزوں کی اسی ذہنیت کا نتیجہ تھا کہ اس دور میں بڑے بڑے افسروں پر رشتہ ستانی کا الزام عائد ہوا۔ کلاہو ۱۷۹۵ء میں گورنر ہو کر آیا۔ اس کی ناجائز حرکتوں نے لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈلوائے اور اس زمانہ میں جبکہ انگریزوں کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالنا جان سے ہاتھ دھونے کے برابر تھا۔ اس وقت کلاہو پر رشتہ ستانی کا الزام لگا۔ جس کی سختی میں اس نے پچاس سال کی عمر میں خودکشی کی ان کے بعد ولیم پینٹنگز پہلا گورنر جنرل ۱۷۹۲ء میں ہو کر آیا۔ وہ بھی رشتہ ستانی کے الزام سے اپنے دامن کو بچا سکا۔ اس پر بھی سات سال تک مقدمہ چلا۔

عباشی کا دور دورہ | ولیم فریر نے تو حد کر دی۔ یہ حضرت ۱۷۹۹ء میں کلکتہ آ کر اترے اور ۱۸۰۵ء میں آخر لونی کے مقدمہ مقرر ہوئے ۱۸۱۱ء میں ان کا مقدمہ ہو کر کابل گئے ۱۸۱۳ء میں امیٹن کا نائب مقرر ہو کر دہلی آئے ۱۸۱۵ء میں مارٹن ڈیل کی فوج میں پولیٹیکل ایجنٹ ہو کر ہالیہ کا سفر کیا ۱۸۱۹ء میں گڑھوال کی در بندی کے جھگڑے کا تصفیہ کرنے پر تعینات ہوئے ۱۸۲۶ء میں شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی مالگنداری کا رکن ثانی بنائے گئے۔ اور ۱۸۳۳ء میں شاہجہاں آباد کا ناظم یا صاحب کلا ہو کر آئے۔

فرزیر کا شرفا کی جوہلی میں گھسنا | اس کی زندگی یورپی عیاشانہ اور غنڈہ گردی کی زندگی ہے

اس نے حکمرانیت کی گلیا خوب ڈبوئی ہے۔ ان افعال کا کوئی متنفس نایاب نہیں نظر نہیں پڑتا۔ چنانچہ اس عیاش طبیعت انگریز کے بارے میں آغا حیدر حسن نمبرہ ہربائی نس عالی جاہ پرنس آغا حسن رقمطراز ہیں:-

فرزیر پرے سرے کا ایک چھٹا ہوا تھا۔ میری دادی حضرت کے ہاں بڑی بڑی منطانیوں، محمد خانم، شمسی خانم، شرف النساء وغیرہ کہا کرتی تھیں کہ نواب احمد بخش خاں کی صاحبزادی جہاں آرا بیگم یا حور نقا بیگم کے حسن کا شرہ سنکر زنانے کپڑے پہن ڈومینوں کے ساتھ حویلی میں گھس گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی صاحبزادی جب طشت چوکی پر گئیں تو آنکھ بچا کر صحت خانہ میں گھس گیا۔ وہ ایک اجنبی صورت دیکھ کر ڈر گئیں۔ چیخ بھاری توہرے والیاں دوڑ کر اندر گئیں دیکھا کہ ایک لمبی ترنچی عورت سراپے کا بانس سر سے پتنگ چادر میں لپیٹ کھڑی ہے۔ سب کی سب مل کر گھسیٹنی ہوئی باہر لائیں، سچوں کو بلایا۔ دکھو ایاتو موامرد و انکلا خوب جوتی کاری ہوئی۔

فرزیر کا سروں جانی کو بھگانا | فرزیر اپنی شروع جوانی میں ایک جانی کو جن کا نام سروں

تھا بزدستی اس کو گاؤں جا کر پکڑ لایا تھا۔ سروں سے پہلے کسی کہانی کو گھر میں ڈال لیا تھا اور اس کے بعد ایک سنارنی کو پکڑ لایا تھا۔ اس جانی کی قلمی تصویر میرے ذخیرہ میں ہے

فرزیر کی تصویر لال قلعہ کے عجائب خانہ میں ہے۔ اُس کے چہرے سے آداری اور بد معاشی بڑی برستی ہے۔ گالوں میں گڑھے پڑے آنکھوں میں حلقے، ہوتی چہرہ، ٹھوڑی پر چھدری ڈاڑھی دیدوں کے برے طور، جھب تھجی بد اطواری کے علامات نمایاں ہیں غرض انجانا تصویر دیکھ کر خورا کہدے گا کہ یہ کسی بڑے بد طینت بندہ صلت اور آوارہ منش کی شبیہ ہے۔

فرزیر کے یہ سیاہ کانامے ٹٹے نہیں ہیں۔ دہلی کے بسنے والوں میں سے کونسا ایسا ہوگا جس نے گلابی جاڑے کی چاندنی راتوں میں قطب صاحب کے قیام یا اس پاس کے جنگلوں کی سیر میں ڈھولک اور سارنگی کے ساتھ لمبی اوپر جانے والی آواز نکھڑاگ کی کھٹ کھٹ سے ملے ہوئے سروں میں فرزیر اور سروں کا حسب ذیل گیت نہ سنا ہوگا۔ دہلی والے فرزیر کو فرین جن کہتے ہیں۔

دھم کلنت سے چلا فرین پانچوں پرمنائے
اللہ جانے رے پانچوں پرمنائے
پانچ مقام دلی کے نوے چھٹا گوبند گوبند
اللہ جانے رے چھٹا گوبند گوبند
دھولے کتوں پتہ پتہ لے لے پتہ پتہ گوتے
اللہ جانے رے پتہ پتہ گوتے
پانچ سوار چھٹا سے فرین سروں دھونڈن جا
اللہ جانے رے سروں دھونڈن جا
جو کوئی سروں کا بھید بنائے ہاتھی دو لگا اقام
اللہ جانے رے ہاتھی دو لگا اقام
سکے چھانے بھید بنائے سروں باجرے میں
اللہ جانے رے سروں باجرے میں
دوے دوے چلا فرین پانچ سوار لے
اللہ جانے رے پانچ سوار لے
پانچ پیر باجرے کے کاٹے چھٹا کاٹا جائے
اللہ جانے رے پانچ پیر باجرے کے کاٹے چھٹا کاٹا جائے

اللہ جانے رہے تو بے یگانی جائے

ہاتھ پکڑا تھی پہ والا سرون روتی جائے
 تیرا مرو سرون روتی جائے
 امی چند روتا دوسے سرون مری جائے
 تیرا مرو سرون مری جائے
 بھائی جتنجو سبھی جو کنسبہ ملے
 سرون پھر ملن کی ناے
 اُسکے گوندھ دنائی کی پھر نہ گندھاؤں لے
 اللہ جانے رہے پھر نہ گندھاؤں لے
 اُنکے لوہا کی تھپے سار کی بیچ میں سرون جائے
 اللہ جانے رہے بیچ میں سرون جائے
 آدمی رات پہر کاڑ کا تارے گنتی جائے
 اللہ جانے رہے تارے گنتی جائے
 چھوٹے بگڑے بگڑے بگڑ میں جائے
 اللہ جانے رہے بگڑ میں جائے
 پٹری کا بیٹھا چھوڑ میری سرون کر ہی کا بیٹھا
 اللہ جانے رہے کسی کا بیٹھا سیکھ
 ہاتھوں سے کھلا چھو میری سرون چھری کا ٹونسی کھانا
 اللہ جانے رہے چھری کا ٹونسی کھانا سیکھ
 اُنکے کا پھنسا چھو میری سرون سارے کا پھنسا
 اللہ جانے رہے سارے کا پھنسا سیکھ
 فریزر سے سینکڑوں لوگ نالاں تھے جن کی ہوی بیٹیاں اڑتی تھیں وہ تو اسکے
 خون کے پیاسے تھے اور اُسے دن کے چھوٹے جھگڑے، ادھر ادھر رندوں،
 کسبوں کے کوٹھوں اور اڈوں سے خرید لاتا تھا وہ الگ رہے شہر کے بیسیوں
 اواباشوں، رندوں، بازوں، بد معاشوں سے اس کی لاگ ڈانٹ تھی، شریف اور اہل
 ملنے میں عار سمجھتے تھے۔ فریزر رات بے رات وقت بے وقت - اڈوں، کوٹھوں
 نمینوں، کنجریوں، خاگیوں میں خواب خستہ پڑا پھرا کرتا تھا۔ آخو اسی شہر میں جان
 گنوائی - ۲۶ مارچ ۱۸۳۵ء راجہ کشن گڑھ کے ہاں ناچ گانے کا جلسہ تھا۔ خوب
 پی اورد بد مست ہوا۔ آدمی رات کو گھر کی سوچھی کسی نے ختم کر دیا کپٹی کو موقع ہاتھ

آیا۔ نواب شمس الدین آف لوہار و کوہنر کے قتل کرانے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔
 گرفتاری کی وجوہات کی بنا پر عمل میں آئی جو خط نواب
قاتل نواب کا لباس | صاحب سے منسوب کیا گیا اس کی کیا حیثیت تھی اسکو

قطع نظر کرتے ہوئے ملاحظہ کیجئے کہ نواب صاحب موصوف کو کس لباس میں پھانسی
 دی گئی۔ چنانچہ اس کی تفصیل آنحضرت حسب ذیل الفاظ میں قلمبند کرتے ہیں۔

ہندوستان کے سب سے پہلے مسلمان نواب شمس الدین خاں ہیں
 جن کو پھانسی دی گئی۔ حکم انہوں نے بڑے استقلال سے سنا
 اس کے لب پہ کچھری سے باہر آئے اور جو معمول تھے ان میں سر مو
 فرق نہ آیا۔ بھوک میں درہ برابر کی نہ ہوئی۔ اچھی طرح اطمینان ہو
 کھا نہ کھایا۔ رات ہوئی تو سوئے بھی ایسی بے ضرری سے کہ جیسے
 صبح کچھ ہونے والا ہی نہیں۔ لوگوں نے خراٹوں کی آواز سن کر صبح
 سے فارغ ہو کر دھوکہ دینا شروع کیا۔ سب پریشاں شہیدوں کا بانی ہیں مقتل کی طرف
 روانہ ہونا چاہا لیکن ظالم ہندو یوں نے کپڑے جسم سے اتار لئے۔ اور
 ٹاٹ کی کرتی، ٹاٹ کا جاکتہ، ٹاٹ کی چڑنا ٹوپی پہنا کشاں کشاں لے
 گئے۔ بھنگلی جو پھانسی کی سی ڈالنا ہے اس نے جو نواب کو دیکھا ہونے
 لگا اور اپنی بے بسی پر ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ نواب بڑی متانت اور
 وقار سے آگے بڑھے۔ درہ برابر گھبراہٹ یا اضطراب کسی حرکت سے
 ظاہر نہ ہوتا تھا۔ جب پھانسی دی گئی تو رسی پر ہی خود بخود لوہار کی
 لاش قبلہ رخ ہو گئی۔

۱۷۷۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وارن ہیسٹنگز کو گورنر جنرل بنگال کونسل میں نائب کی اور اس کے لئے جو

کمپنی میں پارٹی بازی

چار ممبر لندن بھیجے ان میں ایک شخص سرفیلپ فرانس بھی تھا اس کی وارن ہیسٹنگز سے سخت دشمنی ہو گئی اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے پرستول سے فائر کے گورنر جنرل اور اس ممبر کی دشمنی نے بنگال کی سیاست پر زبردست اثر انداز کی۔ صوبہ میں مستقل پارٹیاں ہو گئی تھیں جو مخالف کو نچا دکھانے کے لئے ہر قسم کے جانر و ناجانر طریقے اختیار کرتی رہتی تھیں۔

وارن ہیسٹنگز کے ایک دوست نے سرفرانس پر اپنی بیوی کے اغوا کا مقدمہ چلایا۔ سرفرانس کے ایک طرفدار اخبار نویس سٹریچی نے اپنے اخبار بنگال کورٹ میں وارن ہیسٹنگز پر شرمنگ حملے کیے اور وارن ہیسٹنگز نے اس اخبار نویس کے خلاف مقدمہ چلا کر اسے قید اور اس کے اخبار کو حکماً بند کر دیا۔

انہی طویل پارٹی بندیوں اور برس پرستیوں کی ایک لڑائی سرفرانس اور جنرل کلپوٹنڈ

ہمارا جہنم کمار پر مقدمہ

کے رفیق خاص ہمارا جہنم کمار کا مقدمہ ہے۔ ہمارا جہنم کمار بنگال کا ایک مشہور پرانا امیر تھا اسے شہنشاہ عالم ثانی نے ہمارا جہنم کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ ہمارا جہنم وارن ہیسٹنگز کو دشمنی سمجھتا تھا اور صوبہ میں اس کا عام اعلان تھا کہ جس شخص کو گورنر جنرل سے کوئی شکایت ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ چنانچہ اس نے اسی بنا پر وارن ہیسٹنگز پر رشوت ستانی کا الزام لگایا اور یہ مقدمہ کونسل میں لے گیا جس سے وارن ہیسٹنگز چراغ پا ہو چلا۔ آخر میں کو ہمارا جہنم کے خلاف الزام لگایا گیا کہ اس نے ایک تونہ دوست

سیٹھ بلاتی داس کے ورنہ کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے حق میں ستر ہزار روپیہ قرض کی ایک جلی دستاویز تیار کی جس پر اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

۸ جون ۱۹۵۵ء کو سپریم کورٹ میں مقدمہ کی سماعت

جمل سازی کے الزام میں پھانسی کی سزا

شروع ہوئی اور آٹھویں دن جمل سازی کے جرم میں مہاراجہ کے خلاف پھانسی کا فیصلہ صادر ہو گیا۔ اس سلسلہ میں یہ بات مشکوک ہے کہ آیا انگریزی قانون میں جمل سازی کی سزا پھانسی ہندوستان میں رائج تھی یا نہیں۔ ججوں نے انگلستان کے قانون کے مطابق یہ سزا دی ہوگی۔ ہندوستان کے قانون کے مطابق اس جرم کی سزا جرانہ یا معمولی قید تھی۔

اس فیصلہ کے بعد اس زمانہ کے بہت سے مشاہیر نے جن میں نواب مرشد آباد بھی شامل تھے بادشاہ انگلستان کی خدمت میں درخواست رقم پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن وارن ہسٹنگز نے اس کی اجازت نہ دی اور ہراگست کو بڑھا دیا۔ جس کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی کلکتہ میں موجودہ ملی بازار کے قریب پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا۔

پھانسی کے تیرہ سال بعد وارن ہسٹنگز گورنر جنرل اور سر ایچ جیسنگل کی بعض بدعنوانیوں کے خلاف پارلیمنٹ میں اعتراضات کئے گئے تھے اس میں مہاراجہ نمندکار کا مقدمہ بھی شامل تھا۔ اس مقدمہ میں مہاراجہ نمندکار کو پھانسی دینے کی حسب ذیل تفصیل بھی شامل تھی جو کلکتہ کے مجسٹریٹ مسٹر الیکٹرینڈر میکراہی نے پھانسی کے تین گھنٹہ بعد قلمبند کی تھی۔

امرا کو بھانسی دینے کا طریقہ | جمعہ ہر اگست وقت سہ پہر کو میں ہمارا
سے ملنے قید خانہ گیا۔ انہوں نے مجھے
حسب معمول خندہ پیشانی سے سلام کیا اور ترجمہ کے درجہ اس طرح مجھے سے نہیں کر
باقی کرتے رہے کہ گویا انہیں اپنی بھانسی کی سزا کا علم ہی نہیں ہے میں نے ان سے
کہا کہ میں آپ کو یقین دلائے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ کل صبح بھانسی کے تکلیف وہ
موقع پر میں جو کچھ سہولت آپ کو پہنچا سکتا ہوں پہنچاؤں گا اور اس بات کا پورا پورا لحاظ
رکھا جائے گا کہ آپ اپنی ہی ففس میں سوار ہو کر بھانسی کے میدان تک جاسکیں اور آپ
ہی کے ملازم آپ کے ساتھ رہیں۔

ہمارا جہ نے میل شکر یہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ جنرل کلیولینڈ ٹرنل ٹرسن
اور سٹر فلپ فرانس سے میرا بہت بہت سلام کہہ دیجئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ
میرے بیٹے راجہ گورداس کے سر پر اپنا دست شفقت رکھیں گے اس کے بعد
ہمارا جہ نے پیشانی پر انگلی رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ میکرا بی صاحب تقدیر کے
لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔

ہندوستانی شیر کا غرم و استقلال | ہمارا جہ نند مار کی آوازیں کی
بندہ سنجیوں میں ذرا فرق نہ آیا تھا
مجھے استقلال مزاجی اور دلیری پر سخت حیرت ہوئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ
تھوڑی دیر پیشتر اپنے داماد سے آخری ملاقات کر چکے تھے۔ ہمت و استقلال کے
اعتبار سے میں نے ہمارا جہ صاحب کے مقابلہ میں اپنے دل کو اس قدر کمزور پایا کہ زیادہ
دیر کھرنہ سکا اور ہمارا جہ صاحب سے رخصت طلب کی جب میں ان کے کمرے سے

اُتر کر نیچے صحن میں آیا۔ مجھ سے جیلر نے اظہارِ حیرت کرتے ہوئے کہا کہ جب سے مہاراجہ زندگیا رکے اغڑ و احباب ان سے آنوی ملاقات کر کے گئے ہیں۔ مہاراجہ صاحبِ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے اپنی بیاض پر بادِ دشتیں لکھ رہے ہیں اب مجھے محسوس ہوا کہ مہاراجہ نے شاید خودکشی کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور صبح ہیں مگر وہ سے ان کی لاش ملے گی۔

ہفتہ ۵ اگست کو پھانسی | صبح بجے مجھے اطلاع ملی کہ پھانسی کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں میں سارے

سات بجے جیل خانہ روانہ ہوا۔ پچانک پر بے شمار آدمی جن میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی مہاراجہ کے لئے چھین مار مار کر رو رہے تھے۔ اس واقعہ کے تین گھنٹہ بعد میں اپنی رپورٹ قلمبند کر رہا ہوں لیکن لوگوں کی دردناک چیخیں اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور میرا دل اس وقت تک قابو میں نہیں ہے۔ جیسے ہی مہاراجہ کو میرے آنے کی اطلاع ہوئی وہ مسکراتے ہوئے نیچے اتر آئے اور جیلر کے کمرے میں مجھ سے ملاقات کی۔ ان کے ہاتھ میں مالا تھی اور وہ اپنے متبسم لبوں سے جپ رہے تھے۔ اتنے میں جیل کے ایک افسر نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ مہاراجہ زندگیا فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور بولے ”چلتے ہیں پھانسی کے لئے بالکل تیار ہیں۔ یہ کہلا تھوں نے تین برہمنوں سے جو ان کی لاش کی دیکھ بھال کے لئے آئے تھے معافہ کیا۔ برہمنوں کی آنکھوں سے دریائے اشک جاری ہو گیا لیکن مہاراجہ صاحب کے چہرہ پر غم و تشویش کا خفیف ترین اثر بھی نہ تھا۔ وہ بدستور مسکرا رہے تھے میں نے اپنی گھڑی دیکھ کر مہاراجہ سے عرض کیا کہ ہماری روانگی کے لئے جو وقت مقرر ہوا ہے

اس میں بھی نصف گھنٹہ کی دیر ہے لیکن میں تعین وقت کا فیصلہ آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔ جب تک آپ خود چلتے کے لئے اشارہ نہ کریں گے میں اپنی کرسی سے نہ اٹھوں گا۔ اور پچاسی کے میدان میں بھی جب تک آپ اس بات کا اشارہ نہ کر دیں کہ آپ تمام دنیاوی امور سے فارغ ہو چکے ہیں اس وقت تک آپ کو پچاسی نہیں دیکھا جائے گی۔

ہمارا راجہ نند کمار میرا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئے وہ اپنی مالا بھی جیپے تھے اور میں طرح طرح کے چٹکوں سے منہا بھی رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد میری طرف مسکرا کر دیکھا اور بولے میکرا بی صاحب اب چلے آپ کو میری وجہ سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس کے بعد دو چیل کے ملازموں سے کہنے لگے۔ بھائیو میرا کہا سنا معاف کرنا۔ اگر مجھ سے تمہارے حقوق میں فروگزاشت ہو گئی ہو تو اس کی تلافی راجہ گور داس کر دے گا۔

ہمارا راجہ نند کمار نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جیل کے پھاٹک پر آئے جہاں ان کی فنس تیار رکھتی ہیں ڈپٹی مجسٹریٹ کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ راستہ میں ہجوم روپیٹ رہا تھا۔ پچاسی کے میدان میں ہمارا راجہ کی فنس رکھ دی گئی۔ پنڈت آگئے تو ہمارا راجہ نے پنڈتوں سے صرف اتنا کہا کہ پچاسی کے بعد میری لاش کو ٹھوکی غیر شخص ہاتھ نہ لگائے۔

لوگوں کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے دیر ہو رہی تھی

آخری ملاقات

لیکن ہمارا راجہ کی جانب سے کوئی دیر نہ تھی وہ مجھ سے بار بار کہتے تھے کہ میں پچاسی کے لئے تیار ہوں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اگر آپ کسی شخص سے ملنا چاہتے ہیں تو اسے ملا دیا جائے۔ ہمارا راجہ نے منہس کر جواب دیا۔

ملتا تو بہت لوگوں سے ہے لیکن ملاقات کا یہ مقام نہیں۔“

پھانسی کے لئے پاؤں کا اشارہ | میں نے پوچھا کہ آپ پھانسی کے لئے کیا اشارہ کریں گے؟ ہمارا

نئے جواب دیا ہاتھ ہلا دوں گا۔ میں نے کہا جس شخص کو پھانسی دی جاتی ہے اس کے ہاتھ تو باندھ دے جلتے ہیں مناسب یہ ہے کہ آپ پیر سے اشارہ کر دیں۔ ہمارا بھنے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ ”یہ بھی منظور“۔ میں نے کہا روں کو ہمارا بھ کی پالکی پھانسی کے چوتھرے کے پاس لے جانے کا حکم دیا لیکن ہمارا بھ نے پیدل چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہ تھی۔ سینہ تنا ہوا تھا۔

ریشمی رومال | جب چوتھرے کے پاس پہنچ کر وہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پشت کی جانب کر کے

باندھنے کا اشارہ کیا۔ ہمارا بھ کے ہاتھ ریشمی رومال سے باندھ دے گئے۔ اور وہ مجمع پر اطمینان و سکون کے ساتھ نظر ڈالتے ہوئے اوپر چڑھ گئے۔

چہرہ پر کٹر اہندوستانی باندھے | اب ہمارا بھ کے چہرہ پر کٹر باندھنے کا سوال تھا انہوں نے

مجھ سے کہا کہ یہ کام کسی ہندوستانی کو کرنا چاہیے میں نے ان کی خدمت میں ایک بھمن فوجی سپاہی کو پیش کیا۔ لیکن ہمارا بھ نے اس کو اشارہ سے روک دیا اور نیچے ایک ملازم کو جو ان کے قدموں پر سر جھکائے چلیں مار مار کر رو ہا تھا اپنے چہرے پر کٹر باندھنے کا حکم دیا۔ ملازم نے اپنے آقا کے حکم سے مجبور ہو کر رومال ہمارا بھ کے چہرہ پر پٹے لگا۔ اس کے ہاتھ پیر کا پ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جھری تھے

میں نے اس نازک ترین موقع پر جب کہ دنیا ہمارا جہ نند کمار کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو رہی تھی اور ان کا چہرہ کپڑے سے چھپا یا جا رہا تھا ان کے چہرہ کو خور سے دیکھا اس پر خوف یا تشویش کی خفیف ترین علامت بھی نہ تھی۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ وہ مسکرا رہے تھے۔ ہمارا جہ کے اس جرات مندانہ استقلال کو دیکھ کر جو میری ہمت نے جواب دے دیا اور میں پچانسی کا نظارہ نہ دیکھنے کے لئے لپک کر اپنی پالکی میں گھس گیا۔ ابھی پالکی میں بیٹھ بھی نہ سکا تھا کہ میدان میں شور و غل برپا ہوا معلوم ہوا کہ ہمارا جہ نند کمار نے پیر سے اشارہ کر دیا اور ابھی پچانسی دے دی گئی۔

لاش کی حالت | طبیعت قابو میں آنے پر میں نے آگے بڑھ کر دیکھا ہمارا جہ نند کمار کی لاش پچانسی پر لٹکی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ

اسی مقام پر تھے جہاں باندھے گئے تھے جسم پر تشنچ کا ذرا بھی اثر نہ تھا اور جب لاش اتاری گئی تو چہرے کی حالت میں معمولی سا فرق نہ آیا تھا اور ہونٹوں پر وہی تپیم تھا ہمارا جہ کی لاش آخری مراسم کے لئے پندتوں کے سپرد کر دی گئی۔ اور میں خمسوس کرنا ہوں کہ بوڑھے ہمارا جہ نند کمار نے پچانسی کے وقت جس حیرت انگیز سکون و انتقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کی مثال ملنا دشوار ہے۔

طریقہ عدل | اس زمانہ میں عدل و انصاف کا طریقہ انتہائی مہمل اور طفلانہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہسٹنگز نے عدالتوں کا بندوبست

کیا اور انگریزی عدالتوں کی بنیاد رکھی۔ اس نے انگریزی کلکٹروں کے ساتھ پندت اور بروٹی مقرر کئے جو ان کو دہرم شاستر اور فقہ کے اصول سمجھاتے تھے۔ اُسے کلکتہ میں اپیل کی دو عدالتیں بھی قائم کیں جو دیوانی اور فوجداری مقدمات علیحدہ

علیحدہ فیصلہ کرتی تھیں۔ قانون کی ایک کتاب بنائی گئی تھی۔ تاکہ عوام قانون سے واقف ہو جائیں۔

یہی وہ دور تھا جبکہ مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے فقہ حنفی کے مطابق ہوتے تھے اور حکام و متعلقین عدالت زیادہ تر علماء ہوتے تھے۔ اس لئے عدالتی ضرورتوں کے لحاظ سے فقہ حنفی کے اصول و قواعد کے مطابق متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں یہ کتاب ”اختیار بھی تھی جو علماء میں لکھی گئی تھی۔

اس کتاب کے مصنف کا نام مولانا سلامت علی خاں ہے جو خلافت خاں کے نام سے مشہور اور شہر محمد آباد میں عدالت مرافعہ ثانیہ میں احکام شرعیہ کے لکھنے پر مامور تھے۔ انہوں نے اس کتاب میں فقہ حنفی کے ایک حصہ یعنی تعزیرات کے متعلق فقہ کی مستند کتابوں مثلاً قدوری، ہدایہ، شرح وقایہ، فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ حمایہ، فصول حمادیہ، فتاویٰ سرسبز، فتاویٰ تاجی، جامع الرموز اور اشتباہ و النظائر وغیرہ سے تمام مسائل مختلف ابواب میں نہایت جامعیت و استفسار کے ساتھ جمع کر دیے ہیں۔ اور ان کتابوں کی اصل عبارت کے نقل کرنے کے بعد فارسی زبان میں ان کا خلاصہ بھی درج کر دیا ہے۔

بنگال کے پہلے سپرنٹنڈنٹ کی ڈائری | انگریزی قانون پر شروع جس طرح عمل کیا ہوا

وہ بہت بھونڈا اور مضحکہ یز تھا جو شاید کسی بھی حکومت کے دور میں اس بے ڈھنگے طریقے سے شروع نہ کیا گیا۔ جب سپریم کورٹ و موجودہ ہائی کورٹ،

۱۵۷ دیکھا چہ ترجمہ کتاب الاختیار۔

کلکتہ میں قائم ہوئی تھی۔ اس کی حیثیت یہ تھی کہ چند زیورات کی چوری تک کے مقدمات ابتدائی سماعت کے لئے وہاں پیش کئے جاتے تھے اور سزائے تازیانہ تشہیر کرنے اور جوقوں کی سزا دینے اور دریا پار کرنے کا اختیار بطور خود سپرنٹنڈنٹ پولیس کو تھا اگر آپ کو وہ مضحکہ خیز منظر دکھایا ہے تو اسے کلکتہ کے پہلے سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیڈل کی ڈائری کے چند اوراق ملاحظہ کیجئے کہ اس وقت عہد قدیم کے نزرگوں کا مذاق اڑانے والے کتنے شاکستہ تھے۔

بھگورے ملازم کی سزا | ۱۸۷۵ء - آج میں ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے دفتر کے برآمدے میں بیٹھا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ مسٹر جان نگول کے ملازم نے رپورٹ کی کہ اس کے آقا کا باورچی رنجن کام چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور اس کی جگہ جو نیا باورچی رکھا گیا تھا اسے رنجن نے مارا۔ میں نے رنجن کو بلوایا معلوم ہوا کہ وہ پرانا مفسد ہے اور ایسی حرکتوں کی بنا پر اس کا کان بھی کاٹا جا چکا ہے۔ میں نے حکم دیا کہ رنجن کے دس بید لگائے جائیں اور اسے ملاوت سے پٹرف کر دیا گیا

دھوکہ دہی کی سزا | کرنل واٹسن نے رپورٹ کی کہ رام سنگھ نے انہیں دھوکہ دیا اور اپنے کو بڑھتی طاہر کر کے خواہ موول کی حالانکہ وہ حجام ہے اور بڑھتی کے کام سے بالکل واقف نہیں۔ حکم ہوا کہ رام سنگھ کے پندرہ بید لگائے جائیں اور قلی بانا میں کرنل واٹسن کی کوٹھی تک اسے تشہیر کیا جائے۔

مرمت حسب وعدہ نہ کرنے پر سزا | کپتان اسکاٹ نے شکایت کی کہ بنارس میں

۱۵۸ یہ ڈائری پیدل کی وفات کے سات آٹھ سال بعد اسکے پوتے نے لندن کے بڑے میوزیم میں اس کی کاپی

اُن کی گاڑی کی مرمت حسب وعدہ نہیں کی۔ حکم دیا گیا کہ تبارسی کے دس جوتے لگائے جائیں مسٹر انڈسٹری نے رپورٹ کی کہ ان کی لونڈی بھاگ گئی تھی لیکن اُسے چوکیدار نے گرفتار کر لیا۔ لونڈی کے دس بید لگائے گئے اور اسے مسٹر انڈسٹری جی کے حوالے کر دیا گیا۔

چوری کی سزا جیکب جوف نے شکایت کی کہ اس کے باورچی مفلوی نے چند برتن چرائے میں نے حکم دیا کہ ملازم کو ہر جگہ باڑی

میں اس وقت تک قید رکھا جائے جب تک وہ برتن واپس نہ کر دے۔ ریم ہری نے فریاد کی کہ رام گویال اس کے بچے کی گردن سے تسلی دانہ اتار کر بھاگ رہا تھا اسے موقع پر گرفتار کر لیا گیا حکم ہوا کہ مجرم کے پانچ جوتے لگا کر اسے سڑک شہر میں تھک چپا آٹھویں ڈویژن کے سپاہی بائیس سٹن ایک لڑکے کے مولیہ کو گرفتار کر کے میرے

سامنے پیش کیا۔ وہ کئی بار چوری کے الزام میں منزیاب ہو چکا تھا اور آخری مرتبہ میں نے حکم دیا تھا کہ اسے پندرہ بید لگا کر ہمیشہ کے لئے دریا کے ٹہنگی کے دوسری جانب نکال دیا جائے مگر کام مقصد ہے میرے حکم کے خلاف دریا کو عبور کر کے پھر کلکتہ میں آیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ میں نے اسے بیس بیدوں کی سزا دی اور دیا گیا کہ وہ سڑ نوٹے نے اپنے حقیدار کو لٹو کی رپورٹ کی کہ وہ سڑک پر راہ گھروں کو چھیڑتا ہے حکم ہوا پانچ جوتے لگائے جائیں۔

غلط رپورٹ کرنے کی سزا ہاقر محمد نے مسماۃ رام جینی کے خلاف

شکایت کی کہ اس نے مستفیث کی بیوی کو مخطا گالیاں دیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ باقر محمد کی بیوی بھی مسماۃ رام رجنی سے کم بد مزاج اور عجب جو نہیں دونوں عورتیں آپس میں گالی گلوچ کرتی ہی رہتی ہیں۔ چونکہ اس فضول شکایت سے میرا وقت خراب کیا گیا تھا اس لئے باقر محمد اور مام رجنی دونوں کو پانچ پانچ روپیہ جرمانہ کی سزا دی اور کہہ دیا کہ اگر آئندہ اس قسم کی شکایت میرے کانوں تک پہنچی تو رام رجنی اور محمد باقر کی بیوی دونوں کو دریا پار کر دیا جائے گا۔

چور کی تشہیر کی سزا | مسٹر کینڈل نے اپنی مہترانی کے خلاف شکایت کی کہ وہ آبدار خانہ کی بوتلیں چرا کر ایک کالے یعنی بھندوستانی، دوکاندار بکتا رام کے ہاتھ فروخت کرتی ہے۔ بکتا رام نے اقبال جرم بھی کیا۔ نیٹو جینیوں کی ترسارت کا سبب بکرنے کے لئے حکم دیا گیا کہ بیس بید بکتا رام کے لگائے جائیں اور دس بید مہترانی کے اور دونوں کو پنجرے میں بٹھا کر تشہیر کیا جائے۔ کمپنی کے کلرک مسٹر پیسج نے شکایت کی کہ خدا بخش اور پیاری نے ان سے پیشگی تنخواہ لے لی ہے مگر دونوں کام نہیں کرتے دونوں کو دس دس جوتوں کی سزا دی گئی

چاول کے عمل سے ملزم کی گرفتاری | مسٹر ولکنسن کے بنگلہ میں چوری ہوئی انہوں نے

عمل کے ذریعہ چور پکڑنے کے لئے ایک ملا کی خدمت حاصل کی۔ ملا نے ان کے ملازموں کو چاول چیلنے کے لئے دئے ولکنسن کی دانی گودی کے منہ سے سوکھے چاول نکلے اور اس پر شبہ ہوا دانی نے ملا کو بطور رشوت دس روپے نقد دئے کہ وہ

مسٹر وگلنس سے اُسکی چورکی ذکر نہ کرے۔ مسٹر وگلنس کو خبر ہوگئی۔ انہوں نے مجھ سے رپورٹ کی حکم دیا گیا کہ دائی گوری کو مزید تعقیب تیسرے ڈویژن کے تھانہ میں بند رکھا جائے۔

جوزہ لگانا قانونی سزا تھی | مسٹر پیلڈل کی ڈائری کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے

میں برطانوی انصاف کی ابتدائی انگریز برستی کی قلعی کھل جاتی ہے کہ وہ کس طرح رعایا پر انگریزوں کا رعب جمانے کے لئے صرف حسب وعدہ حرمت نہ ہونے پر جوتے پڑوا تا ہے۔ اس ڈائری سے ان باتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہندوستانی امرار کی طرح انگریزی حکام کے جلو میں بھی پھنسی ہوئے تھے اور انگریز حقہ پیتے تھے۔ لونڈی غلام رکھنے کا رواج عام تھا انگریزوں کے قبضہ میں بھی لونڈیاں تھیں۔ اگر کوئی لونڈی اپنے مالک کے جبر و تشدد سے نجات حاصل کرنے کے لئے بھاگتی تو اسے سزائے تازیانہ کی مستحق سمجھا جاتا تھا جو تازے لگانے کی سزا کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ برطانوی نظم و نسق سے بیشتر عادی بھرموں کا ایک کان کاٹ دیا جاتا تھا۔

مولویوں کے عملیات کا زور | اس زمانہ کے انگریز بھی مولویوں کے عملیات کے قابل تھے اور چوری

تک کے معاملات میں مولویوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور وہ اٹھارہویں صدی میں شہتہ اشخاص سے چاول چوراہہ کا پتہ لگاتے تھے۔

سزائے تشہیر کا طریقہ | مسٹر پیلڈل کی ڈائری میں بعض مجرموں کے لئے جو سزائے تشہیر تجویز کی ہے اس کا طریقہ

یہ تھا کہ مجرم کو بڑے سے چوبی پنجیرے میں بند کر دیتے تھے اور پھر ایک خاص

قسم کی نبی ہوئی اونچی گاڑی کے دھڑے سے (جس کے پیٹے نیدرہ سولہ فٹ بلند ہوتے تھے) لٹکادیا جاتا تھا۔ پولیس کے سپاہی گاڑی کے ساتھ ہوتے تھے اور آگے ایک شخص دہل بجا کر مجرم کے نام اور نوعیت جرم کی شہیر کرتا تھا

سنباسی لیٹروں کا قلع قمع | سنباسی جو تپتی بہاڑ کے باشندے اور مذبحہ ننگے رہتے تھے۔ ان کے نہ گاؤں تھے

اور نہ گھر، جگہ جگہ مارے مارے پھرتے تھے بچوں کو چمانا ان کا کام تھا جس سے وہ اپنی تعداد میں اضافہ کر لیتے تھے۔ ان میں سے بہت سے مسافروں کی شکل میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ ان کو گرفتار کر کے ہیٹنگز کے دور میں سخت سزائیں دیں تب ان کا وجود ختم ہوا۔ اور نیگال میں امن وامان قائم ہوا۔

قطع اعضا کی سزائیں منسوخ | ۱۹۶۶ء میں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کے عہد میں ناک،

کان، ہاتھ، پاؤں اور غیرہ کاٹنے کی سزائیں منسوخ ہوئیں۔ نذریں اور خوشیوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ عدالتوں کی اصلاح ہوئی۔ دیوانی اور فوجداری کے محکمے علیحدہ علیحدہ ہوئے۔ نائب ناظم سے فوجداری اختیارات چھین لئے مسلمانوں کے مقدمات میں شریعت کی پابندی پھیل پڑ گئی۔ اسی طرح شاستر کے پورے اصولوں پر عمل کیا جاتا تھا۔ لارڈ کارنوالس نے ایک مجموعہ قوانین بھی مرتب کیا تھا جو کارنوالس کوڈ کے نام سے مشہور ہے۔

نیداروں کا خاتمہ | نیدارے لوگ جو کسی خاص ذات کے آدمی نہ تھے اور جو پہلے شیواجی کی فوج میں بھرتی ہوئے تھے

لوٹ مار سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ ان میں کچھ بچان بھی تھے۔ مگر رفتہ رفتہ سب قوموں کے بد معاش ان سے آئے۔ انگریزوں کی خاموشی کی وجہ سے ان کا زور بڑھتا چلا گیا۔ وہ بڑا سنگدل اور ظالم گروہ تھا وہ کبھی ایک جگہ مقام نہیں کرتے تھے جس کسی صوبہ میں جاتے وہاں قتل و غارتگری کرتے اور لوٹ مار مچاتے۔ ان کے دو دو تین تین سرا کے گروہ تھے جو چالیس چالیس پچاس پچاس میل کا دھوا مار کرتے تھے۔ ان کے لوٹنے اور ظلم کرنے کے یہ طریقے تھے کہ گرم راکھ کا تھنڈا گروہ دن سے لٹکا دیا کرتے تھے اور زور سے سانس لینے پر مجبور کرتے تھے۔ پھینچنے والے پر اس کا اثر برا ہوتا تھا اور تھوڑی دیر میں آدمی مر جاتا تھا۔

مالک لکھتا ہے کہ پنڈالوں کی مستورات ان کے ساتھ بہتی تھیں اور اپنے گھر والوں کے ظلم و ستم کو دیکھ کر وہ بھی بہت سنگدل ہو گئی تھیں وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ سٹائیوں پر سوار ہو کر گھومتی تھیں اور دیہاتی لوگ ان کے مردوں سے زیادہ خائف ہوتے تھے۔

مارکوس آفس، سٹیننگر کے زمانہ (۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۳ء) میں ان کے تین سردار تھے۔ امیر خاں، واصل محمد، اور چیتو۔ یہ لوگ سندھیا کی فوجوں سے مل کر لوٹ مار کیا کرتے تھے اور دیہاتوں کو تباہ کرتے پھرتے تھے۔ ۱۸۱۵ء میں انہوں نے نظام الملک کے ملک میں لوٹ مار کی اور شمالی اضلاع کو برباد کر دیا لارڈ مڈلر نے ایک فوج تیار کی اور پنڈالوں کو مجبور کر لیا۔ جن میں سے بہتوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ ۱۸۱۸ء تک پنڈارے ظلم ہو گئے تھے۔ امیر خاں نے مانتی قبول کی۔

واصل محمد نے خود کشی کی چیتو کو چیتے نے کھالیا اور سردار امیر خاں کے عہد معاونت نے ریاست ٹونگ دلوائی۔

لاڈ بٹنیک نے ۱۸۲۹ء میں ایک قانون پاس کیا جس سے رسم سستی ممنوع قرار دی گئی اور یہ اعلان کر دیا کہ جو سستی ہونے میں اعانت کرے گا اس کو قتل کی سزا دی جائے گی سستی کا رواج ہندوستان میں عہد قدیم سے جاری تھا۔ ۱۸۲۹ء میں صرف بنگال میں سات سو عورتیں سستی ہوئی تھیں۔

۱۸۴۲ء میں حکومت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ذمہ داری خود لے لی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی قیدی کے لئے جلاوطنی کا قانون اسی طریقہ سے نافذ ہوا جس طرح انگلینڈ کے جلاوطنوں کے لئے پھانسی تجویز کی گئی وہ بنگال میں جنوب مغربی سماٹرا میں تھی ۱۸۴۷ء میں ہندوستانی قیدیوں کا پہلا جتھا وہاں بھیجا گیا۔ وہاں قیدیوں کو عام طور پر برٹش بنانے اور جنگی صاف کرنے کے کام میں لگایا جاتا تھا۔ اور کئی قیدی وہاں کے سرمایہ دار لوگوں کو جن کے پاس باغات ہوتے کرایہ پر دے دئے جاتے تھے۔

وہاں قیدی اپنی شادی کر لیتے تھے۔ چنانچہ بہت سے قیدی وہاں سے بوجہ مجبوری نہیں آسکے تھے چنانچہ سر اسٹامفورڈ ویلفس گورنر ۱۸۱۸ء میں لکھتا ہے جلاوطنوں کو واپس جانے کی خواہش نہیں رہتی وہ وہاں کافی تعلقات پیدا کر لیتے ہیں اور کئی باتیں ان کی کشش کے لئے وہاں ہوتی ہیں اس لئے وہاں سے واپس آنا وہ ایک سخت سزا تصور کرتے ہیں۔

اس تحریر میں اگرچہ مغالطہ سے کام لیا گیا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کو جو کنواریں میں وہاں کو قوت ہوئی ہے وہ شادی کے بعد چلی جاتی ہے وہ اپنے وطن میں آنا خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ یہ قسمتی نہیں۔

۱۸۲۳ء میں ہندوستانی جلاوطنوں کے لئے وچ بستی مقرر کی گئی اور ان کو پینانگ میں رکھا جانے لگا۔ ۱۸۲۵ء میں سنگاپور اور ملاکا میں جلاوطن بھیجے جانے لگے اور پینانگ میں بھیجے گئے سلسلہ بند کر دیا گیا۔ وہاں ایک بڑا کامیاب تجربہ ہوا جو کہ ہندوستان کی جیلوں کے نظام پر اچھا پڑا۔ جو یہ تھا کہ قیدیوں کو وارڈن مقرر کیا گیا کہ یہ تجربہ مسٹر لون ہم ریڈیٹ سنگاپور کو ۱۹۲۵ء میں اس وقت ہوا جبکہ انہوں نے محسوس کیا کہ قیدی سب سے کمزور کام کر رہے ہیں۔ ان سے یہ کام کہیں نہ لیا جائے چنانچہ انہوں نے اپنا چپڑی علیحدہ کر دیا اور اس کی جگہ بھٹی اور مدراسی قیدی لگائے اور ان کو قیدیوں پر وارڈن مقرر کر دیا۔ اس تجربہ کی وجہ سے تمام ہندوستان کی جیلوں میں اس طریقہ کو رائج کیا گیا۔

مسٹر بیٹس کی بستیاں جہاں جلاوطن قیدی رکھے جاتے تھے وہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۴۳ء تک ۸ سال رہیں اور بعد میں بند کر دی گئیں لیکن ۱۸۴۶ء میں مسٹر ان عمر قیدیوں کے ساتھ پینانگ سے انڈیمان گئے اور وہاں جلاوطنوں کے لئے نئی بستیاں تیار کرانی شروع کیں۔ اس مقام پر ۱۸۴۳ء میں ان جلاوطنوں کو رکھا گیا جن کی سزا کی سبب ختم نہیں ہوئی تھی لیکن جو عطل پر گئے تھے ان کو آبادی میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن ۱۸۴۵ء کے بعد تمام جلاوطنوں کو جو کہ جہانی طور پر تیز رفتاری سے تھے ان کو انڈیمان بھیجا جاتا تھا۔ اور خاص طور پر مارچ ۱۸۵۸ء سے بغاوت ہند کے

قیدی یہاں لا کر رکھے جانے لگے چنانچہ مولانا محمد جعفر تھانوی اپنی تصنیف کلاپانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بدولت بیسویں
شاہسیر ہند کالے پانی کے قیدی

قاضی، ڈپٹی کلکٹر، منصف، صدر امین، صدر الصدور، رسالہ دار، صوبہ دار، محمد دار وغیرہ وہاں قید تھے۔ وہ محرز ہندوستانی جن کے آگے سینکڑوں ہزاروں نوکر رہتے تھے۔ سیاہ پوست اور ہندی ہونے کی وجہ سے دوسرے چوڑے چاروں کی طرح موٹا جھوٹا کھانا پاتے اور عام لوگوں کے ساتھ سخت مشقت کرتے تھے۔ مگر حضرات یورپین گورے بلکہ اکثر دو غلے کالے کلوٹے بھی فقط بوجہ شرف کوٹ تیلوں یا کلمہ مسیاتی کے پلٹن کے گوردوں کے برابر کھانا کپڑا پاتے تھے۔ ایک علیحدہ بنگلیا ان کے رہنے کو ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کے لئے اور جس گورے یا دو غلے کو لائسنس مل گیا تو ان کو پچاس روپے ماہوار تک نقد تنخواہ ملتی تھی۔

یہ تو سب کچھ تھا مگر ۱۸۷۹ء کا ایک نیا واقعہ
کالے چمڑکی بے عزتی

اور وہ یہ ہے کہ ۱۸۷۹ء میں ایک بد بخت راجہ جگن ناتھ پوری جس کے واسطے مدت تک اخباروں نے بھی سر بھڑا تھا۔ قید ہو کر کالے پانی پیچھا۔ مگر بوجہ کالا چہرہ ہونے کے بے چارہ عام چوڑے اور چاروں کے ساتھ کھانا پاتا اور مشقت کرتا تھا اور جب نازک مزاجی سے وہ مشقت نہ کر سکتا تو سید اوجیل اور چکی پیسے کی سزا پاتا رہا۔ آخر انہیں صدیوں سے تھوڑے روز بعد وہ راجہ دھیر جیل میں گر گیا۔ اور

انہیں ایام میں مسٹر لمیسر نامی ایک کرانی بھی گوبدن سے کالا مگر یورپین نام اور کوٹ
پتلون سے مشرف ملک اودھ سے قید ہو کر وہاں پہنچا تھا وہاں اس کو گوروں کے
ساتھ عمدہ کھانا ملنے لگا ایک علیحدہ مکان پلنگ وغیرہ کا سامان عیش و آرام بھی
اس کو دیا گیا اور بجائے مشقت کے کچہری ڈپٹی کمشنر میں کلرک ہو گیا چونکہ کچھ
راجہ اور یہ خوش نصیب کرانی دونوں ایک ہی وقت وہاں پہنچے تھے۔ یہ اختلاف سلوک
دطر فداوی اور ناقدرے شرفاء امر اور ہند دیکھ کر ہر ایک کو دونا آتا تھا۔

دائع دائم الحبسی | جو قیدی کلے پانی جاتا اس کا ماتھا کھود کر پیشانی پر ان کا
نام اور جرم اور لفظ دائم الحبس لکھا جاتا تھا۔ وہ نوشتہ مثل نوشتہ تعزیر نام
عمر نہیں ملتا تھا۔ لیکن مولانا محمد رفیع خان میسرے لکھتے ہیں کہ یہ قاعدہ ہمارے پہنچنے
سے کچھ پہلے تمام عداوی میں موقوف ہو گیا تھا۔ اس سبب سے داائع دائم الحبسی سرجم
مخفوظ رہا۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۵ء تک اس خبریرہ کی آب و ہوا سم قاتل تھی چنانچہ
جس کو زخم ہو جاتا تھا وہ تین روز بعد مٹ جاتا اور چوتھے دن مر جاتا۔ مولانا تھانیسری
الرحوی ۱۸۶۶ء کو انڈمان پہنچے جب وہاں کی آب و ہوا اچھی ہو گئی تھی۔

قیدیوں کے ساتھ سلوک | بیماری کی کثرت اور نئی آبادی کی وجہ سے
حکومت نے شروع میں قیدیوں کے
واسطے قانون نہایت نرم رکھے اور قیدیوں سے بہتر سلوک کیا جاتا تھا۔ مگر جب
وہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو گئی تو ۱۸۶۶ء میں سخت قانون نافذ کر دے جو ہندوستانی
جیلوں میں بھی روا نہیں رکھے گئے تھے چنانچہ قانون انڈمان مصدرہ ۱۸۶۱ء کی

غایت یہ تھی کہ سزائے جس بےجور دریائے شور سے سخت مشقت لینا اور فقط اس قدر کھانا پینا دنیا جس سے آدمی زندہ رہ سکے اور مرے نہیں؟ اس جزیرے میں قیدیوں کے رہنے کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جہاز سے اترتے ہی ایک مہینہ بعد ان کی بیڑی کٹ جاتی تھی۔ یہاں کوئی جیل نہیں ہے بارکوں میں یہ قیدی ماتحت قیدی افسروں کے رہتے ہیں۔ ان میں ہندوستانی قیدیوں کی طرح مشقت کرتے ہیں، دو وقت ان کو کھانا ملتا ہے رات کو انہیں بارکوں میں سو رہتے ہیں۔ ان بارکوں کے محافظ سوائے قیدی افسروں کے اور کوئی پولیس یا جنگی پلیٹن نہیں ہوتی تھی۔ غرض قیدیوں کی حفاظت اور نگرانی اور ان کا کام تقسیم کرنا اور ان سے کام کروانا یہ سب پرانے قیدی افسروں کے سپرد ہے جو سر پر لال دوپٹہ اور گلے میں چپراس ڈالے بستے اور حسب مدارج اپنے عہدوں کے سوا خوراک کی نقد خواہ بھی سرکار سے پاتے ہیں۔ ان نئے قیدیوں کو بھی بشرط نیک چلتی تین چار برس کے بعد کسی قدر خواہ ملنے لگ جاتی ہے اور تنخواہ پانے کے بعد یہ نئے قیدی بھی پٹے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ دس برس نیک چلن رہنے کے بعد ہر ایک مرد قیدی ٹکٹ پانے کا مستحق ہو جاتا ہے اور ٹکٹ یہ ہے کہ قیدی آزاد ہو کر بارک سے نکل جاتا ہے وہ شہر اور بستیوں میں رہ کر جو چاہے پیشہ کرے اور کھانے کھائے۔ قریب پچاس ساٹھ قیدیوں کی بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبر دار اور چوکی دار اور پٹواری ہیں جو لوگ چھٹی کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں ان کو گاؤں میں فوٹو زمین نقد پانچ سسکے سنے مفت سرکار سے مل جاتی ہے اور تین برس تک محصول معاف رہتا ہے اور کبھی کبھی کچھ تقاویٰ، میل اور خوراک سے بھی سرکار مدد دیتی ہے اس ٹکٹ پانے کے

بعد قیدی آزاد ہو جاتا ہے جو چاہے کرے۔

قیدی عورتیں | جو عورتیں قید ہو کر آتی ہیں وہ ایک علیحدہ خیرے میں ماتحت قیدی عورتوں اور افسروں کے بارک میں رہتی ہیں عورتوں

کو بھی اپنی باری کے اندر بیانی سلانی وغیرہ کی مشقت کرنی پڑتی ہے۔ عورتوں کو پانچ برس کے بعد آزادی کا ٹکٹ مل جاتا ہے۔ لیکن جوان عورتیں جب تک شادی نہ کر لیں ٹکٹ پا کر اپنی بارک سے باہر نہیں جاسکتیں پانچ برس گزرنے کے بعد عدالت کو اختیار ہے جس مرد سے چاہے شادی کرے۔ مردوں میں سو اے ٹکٹ والوں کے مستثنیٰ بارک باش قیدی شادی نہیں کر سکتے۔

شادی کا طریقہ | جو مرد شادی کرنا چاہتا ہے وہ عورتوں سے ٹاپو میں جا کر کسی عورت کو پسند کر کے کچھ ان کو دے دلا کر راضی کر لیتا

ہے۔ منظور ہوتا ہے تو ان کو ایک اقرار نامہ اپنی رضامندی اور محبت و موافقت سے مل کر رہنے کا چیف کمشنر کے روبرو لکھ دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد بری میاں کے گھر میں چلی آتی ہے۔ ٹکٹ والے قیدی ملک سے اپنے بال بچوں کو بھی بلا سکتے ہیں۔ جب کوئی قیدی بیس برس تک نیک چلن رہتا تو اپنے وطن کو آ سکتا ہے اور ٹکٹ پانے کے بعد قیدی کو اختیار ہے کہ جائز کمائی سے چاہے لاکھوں روپیہ جمع کر لیں مگر ٹکٹ سے پہلے بلا اطلاع و اجازت حکام وہ کچھ اپنے پاس نہیں رکھ سکتے اور نہ کسی دوسرے کے پاس جمع کر سکتے ہیں۔ قیدی جب تک بارک میں رہ کر مشقت کرتے ہیں ایک برس یا تین مہینے میں ایک خط اپنے گھر روانہ کر سکتے ہیں اور ایک خط آبدہ پاسکتے ہیں مگر ٹکٹ والے مہینہ میں ایک خط بھیج سکتے ہیں

اور ایک منگا سکتے ہیں۔

ذات پات کا خاتمہ | یہاں ذات پات کی بیماری اور قوم کی پابندی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ جس بیماری میں ہندوستان

پھنسا ہوا ہے۔ مسلمان مرد و عورت کسی ذات کا ہو ہر مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک شادی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہندو بھی ہر ایک ذات کی ہندو عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ برہمنوں کے گھر میں پائین اور جاٹوں کے گھر میں برہمنیاں موجود ہیں یہاں کا چیف کمشنر سشن جج بھی ہوتا ہے اور اس کا حکم ناطق سمجھا جاتا ہے

یہی ہائی کورٹ کے اختیارات رکھتا ہے۔ جو ایکٹ چاہتا ہے جاری کرتا ہے اور جس حکم کو چاہتا ہے وہ اختیار دیتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی آدمی ٹاپو نہ بنا ہر جاسکتا ہے اور نہ آسکتا ہے۔ مال و اسباب کی بھی یہی صورت ہے۔ اس کے قواعد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ آجکل یہ خبر یہ جاپان کے قبضہ میں ہے۔

تحریک و ہابیان | اس کا زور ۱۸۵۳ء میں تھا تیسرے سے شروع ہوا۔ اور ہندوستان کے مختلف ممالک میں گرفتار ہیں

عمل میں آئیں اور لوگ بمبئی بمبئی میں پانچواں دہم انجس کئے گئے یہ سلسلہ دس سال ۱۸۵۲ء تک جاری رہا۔ چیمبرلین صاحب اس دار و گیر دہائیوں کے کمشنر تھے اور راولپنڈی اس کا صدر مقام تھا۔ چیمبرلین صاحب کی موت کے بعد یہ حکم ختم کر دیا گیا تھا۔ اس تحریک میں مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو بھی دہلی سے راولپنڈی طلب کیا گیا تھا۔ تاکہ ان سے ہندوستان کے اہل حدیثوں کے نام معلوم کئے جائیں چیمبرلین

صاحب کی موت کی وجہ سے مولانا کو بھی رہائی ملی اور وہ غیریت سے دہلی شریف لے آئے۔
 ہندوستان میں ٹھگ اور زہر
 دینے والوں کی مجرمانہ کوششیں عہد

ٹھگ اور زہر دینے والے

بعید سے چلی آتی تھیں جو تمام ہندوستان میں مشترک مقاصد کے ماتحت ایک وسیع
 برادری کی شکل میں منظم کی گئی تھیں۔ اس خطرناک سازش سے ملک کا کوئی صوبہ محفوظ نہ
 وہ سکا تھا۔ ہر ایک صوبہ کی فضا مکدر ہو چکی تھی جتنا چمک سی۔ پی۔ بنگال۔ مدراس۔ بلوچ۔
 یو۔ پی۔ سندھ۔ پنجاب کی کسی نہری سرنگ کا راستہ ایسا نہ تھا جو ان ٹھگوں کے
 وجود سے خالی ہو۔ اور انسانی لاشیں بیدروانہ طریقے سے گلے گھٹی ہوئی پڑی نہ ہوں۔

یہ ٹھگ مختلف قسم کے چولے بدل کر اپنا مقصد پورا
 کر لیتے تھے اور ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ قسبات

ٹھگی کے طریقے

میں مسافروں کو قریب سے زہر کھلا کر بلکلے میں کپڑے کا پھندا ڈال کر مار ڈالتے
 تھے۔ اور ان کمال و متلے کے گرفتار ہو جاتے تھے۔ نیز یہ گردہ کھجاریوں کو بھی
 قتل کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ ان کے قتل دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے دلوں
 کو انوکھ کر کے فروخت کرنے کی وجہ سے ہوتے تھے۔ یہ ٹھگ ”میگھ پونیا“ کہلاتے
 تھے جو ہندی میں صحیح میگھ پھندیاں ہیں۔ میگھ کیل اور پھندیاں پھندے کو کہتے
 ہیں۔ جو تسمہ باز کے مترادف ہے۔ تسمہ باز فینٹ کے ساتھ شعبہ بازی کرتے ہیں
 جس سے بھولے بھالے اور دیہاتی قسم کے لوگ ان کے پھندے میں پھنس جاتے
 ہیں۔ دہلی جامع مسجد کے دربارہ والے دروازے کی پشت کی سڑک پر اب بھی جرائم
 پیشہ لوگ فوری ضرورت پر اسی طرح لوگوں کی جیس خالی کر لیتے ہیں۔

۱۸۰۳ء میں کاپنور کے برطانوی ریجنٹ میں ایک کریگ سپاہی نے تین آدمیوں کو قسم بازی کا طریقہ سکھایا تھا۔ یہ آدمی یورپین قسم باز ٹھکوں کے لیڈر بن گئے تھے۔

قسم بازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ فیتہ دہرا کر کے لپیٹ لیا جاتا تھا اور اس میں اس بات کو کمال سمجھا جاتا تھا کہ لپٹے ہوئے فیتہ میں سلاخ اس طرح پڑے کہ اگر اس کو کھولا جائے تو سلاخ فیتہ کے بیچ میں اچھلے اور ایک سر اچھوٹے بغیر سلاخ نہ نکلے۔ یہ قسم باز ٹھگ منگھو نیا کی طرح ہوتے تھے۔ ان کے ٹھگنے کا ایک ہی طریقہ نہ ہوتا تھا بلکہ کافی نئے نئے طریقوں سے وہ لوگوں کو ٹھگتے تھے جنرل ہر دی نے منگھو نیا کے ٹھگوں کے سات طریقے ریکارڈ میں رکھے ہیں جو اچھوتانہ میں رائج تھے

زہر دینے والوں کی دو یا تین اشخاص کی جماعت آکھٹیا دس مسافر ملے کا مہابی کے ساتھ زہر دے کر ختم کر دی جاتی۔ یہ زہر دینے والے ان مسافروں کے ساتھ کچھ دن سفر کرتے، تعلقات قائم کرتے، بھائی چارگی ظاہر کرتے۔ اور کسی خاندانی خوشی کے موقع پر ان کو دعوت میں مدعو کرنے کا ذکر کرتے اور جب اعتماد قائم ہو جاتا تو ان کے لئے بازار سے آٹا لاکر زہر کی آمیزش کر کے کھلا دیتے تھے جو دھتورے کے بیجوں کا انتہائی مہلک اور زہر دوا اثر زہر ہوتا تھا۔ بسا اوقات یہ ذیل حرکات ان ٹھگوں کی بورھی عورتیں اور سن ویدہ مرد باجم کرتے یہ مجرمانہ پیشہ کسی خاص افراد کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ کم و بیش ہندوؤں افراد اس پیشہ کو اختیار کرتے ہوئے تھے اور ملک کے کونہ کونہ سے نئے نئے مہاجر

۱۷ ریکارڈ منجمہ گورنمنٹ میں مقدمہ مرتبہ مسٹر آرنگری ۱۵ اپریل ۱۸۶۱ء میں ریکارڈ پوسٹ ۱۷
نوٹ ۱۷ ستمبر ۱۸۵۸ء کے مختصر ریکارڈ جوائن ۱۷۹۰ حصہ ۱۷۹۱

پیدا ہوتے تھے چنانچہ ۱۸۷۷ء میں آگرہ کے کماروں نے گروہ نے قتل اور
تھلی کا پیشہ اختیار کیا۔ اس گروہ میں عادی اور اتفاقی سب ہی طرح کے مجرم
ہوتے تھے۔ اور کھانا پکانا جانتے تھے۔ اور سڑکوں کے کنارے سونا ان کا شیوہ
تھا جس سے ان کو اپنے منصوبہ کی کامیابی میں کافی امداد ملتی تھی۔

ان کی چھوٹی بڑی پاڑیاں ہوتی تھیں جو ایک دوسرے سے علیحدہ گشت
لگاتی تھیں۔ ان کے گشت میں بائیں ہاتھ بھڑ نہیں ہوتی تھی۔ وہ گرفتار بھی کرتے
جلتے تھے۔ مگر زیادہ اتفاقی مجرم کی حیثیت سے۔ جس سے ان کو اجتماعی شکل میں
کوئی نقصان نہ ہوتا تھا اور نہ لمبی سزا ملتی تھی اکثر قتلوں کے مہموں کے دوران میں
ان کے دو یا دو سے زیادہ گروہ مل جاتے تھے۔ اس گروہ کے ہر ممبر کو اس کی
حیثیت کے مطابق مال (تھلی) غنیمت میں سے اس کو حصہ ملتا تھا یا نقد جو شخص
قتل میں زیادہ شغف دکھاتا تھا اتنا ہی وہ زیادہ حصہ کا حق دار ہوتا تھا۔

۱۸۶۹ء تک یہ جرائم بیباکانہ طور پر جاری تھے اور ان کی السلاوی
طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی تھی لیکن کرنل سلیم نے نرہداساگر کے علاقہ میں مامور
ہوئے اور ۱۸۷۰ء میں جیل پور کی سڑک پر ۱۷ خزانہ بردار اور ۱۸۷۱ء میں
ضلع دموہ سے دس میل کے فاصلہ پر پہلے کو جانے والی سڑک پر سنجگاؤں کے
آدھ میل پر ایک نالہ کے پاس سات آدمیوں کے قتل ہو چکے تو ان سے اور
دیگر قتلوں سے متاثر ہو کر انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ان تمام جرائم کی رپورٹ
بجھی جس کے بعد ۱۸۶۹ء میں مسٹر ایف سی سمٹھ نرہداساگر کے علاقہ میں انھیں
خصوصی کے ساتھ ایجنٹ گورنر جنرل مقرر کر کے بھیجے گئے۔ آپ کے اسٹنٹ کے

مدی حیفہ قالیس کے کارخانہ میں مشقت کے لئے لگایا گیا تھا۔ یہ کارخانہ کڑی
سلیم اور کپتان چارلس بروون نے ۱۸۳۵ء میں بنایا تھا اور ان ہی کے ہاتھوں
اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۱۹۰۳ء میں سپرنٹنڈنٹ ٹھگی اور ڈاکہ کا عہدہ توڑ دیا گیا تھا اس لئے کہ
اس وقت ٹھگ بہت کم رہ گئے تھے اور ان کا متعلقانہ زور ختم ہو گیا تھا۔

غدر ۱۸۵۷ء | خدر کی ابتدائی وجہ بند وقوں کے وہ کاروس تھے
جن کے بارے میں سپاہیوں کا خیال تھا کہ ان پرور
اور گائے کی چربی لگی ہوئی ہے اور وہ ان کو دانتوں سے کاٹنے پڑتے ہیں چنانچہ
کپتان ریٹ نے اپنی رپورٹ مورخہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء جو اپنے کمانڈنگ آفیسر
بجرائن کو بھیجی ہے اس میں لکھتا ہے :-

(یہاں مددے دکلنت سے تین کوس پر جہاں توپ خانہ رہتا تھا)
میں جو اٹلڈ نفل بغرض تعلیم دیا گیا تھا اس سے ہندوستانی سپاہی
بہت گھبرائے ہیں۔ اور کسی نے یہ افواہ بھی اڑادی ہے کہ کاتوئوں
میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس افواہ کی
بنیاد پر ایک ہندوستانی سپاہی پریشان ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہم
جب اپنے گھر جائیں گے تو ہمارے ساتھ کوئی کھائے پئے گا
نہیں ہیں۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ بھڑکی چربی اور موم اس میں لگا ہوا
ہے لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔

یہ افواہ یا واقعہ آگ کی طرح پھیل گیا۔ مددے والوں کے ساتھ بہرام پور

والی انیسویں پلیٹ بھی ہوگئی اور وہ یہاں تک چراغ یا ہوئی کہ رات پر پڑ جا کر جمع ہوگئی۔ کرنل نچل نے ان کو بتایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ ان کا رتوسوں میں لگائے اور سور کی چربی لگی ہوئی ہے۔ سپاہیوں نے گلے کی چربی دکھائی اور بتایا کہ یہ چربی ہے جو گائے اور سور کی ہے۔ اس پر کرنل نے وعدہ کیا کہ اب تم کو کارٹوس دانتوں سے کاٹنے نہیں پڑیں گے۔ ہاتھ سے توڑ کر بھرے پائیں گے۔ اس یقین دلانے پر حسب دستور پلیٹیں کام پر لگ گئی۔ معاملہ رفع دفع ہو گیا لیکن ایسا اپنی گورنر جنرل نے انیسویں پلیٹ کو بارکیور (کلکتہ) میں بلا کر موقوف کر دیا۔ اور اس کے ہتھیار پر پڑ پر فوج کے سامنے کھلوائے یہ پلیٹیں کا حال دیکھ کر سنہالی سپاہی بدل گئے اور جو شبہ ان کو ایمان کے خلاف ہونے کا تھا وہ بختہ ہو گیا۔

افسر پر ہتھیار چلانے اور سازش کی سزا | چنانچہ بارکیور میں چوتھی پلیٹ کے ایک سپاہی

نے اپنے افسر پر ہتھیار سے وار کیا اور جو سپاہی وہاں موجود تھے انہوں نے اس کی گرفتاری سے اعراض کیا۔ اس پر گورنر جنرل نے سات کمپنیوں اور اس پلیٹ کو موقوف کر دیا۔ اور ایک سپاہی اور ججدار کو بھانسی کا حکم دیا اور تھوپیں پلیٹ کے دو سپاہیوں کو سازش کے جرم میں کالے پانی بیج دیا۔

کارٹوس نہ لینے پر سزا | اس سختی کا نتیجہ بد سے بدتر نکلا۔ چنانچہ ۵ رمی کو جس وقت قواعد کے لئے کارٹوس

تقسیم ہوتے تو تیسرے رسالہ کے ۸۵ سواروں نے ان کے لینے سے بالکل انکار کیا۔ جن کو ۹ رمی کو کورٹ مارشل میں چھ برس سے دس برس تک کی سزا

دی گئی اور میرٹھ جیل بھیج دیا گیا۔ یہ بے عزتی ان کے رشتہ دار اور ساتھی برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے دس مئی یکشنبہ کو شام کے وقت بلوگر کولین میں آگ لگادی اور راہ گیروں کا قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور میرٹھ کے جیل خانہ میں جا کر اپنے ساتھیوں اور دوسرے قیدیوں کو بہا کر کے آگے اور شہر میں تمام سرکاری انتظامات کو تہ و بالا کیا۔ یہاں سے فراغت پاتی تو دہلی کا راستہ لیا۔ وہاں بھی انگریزوں کو نہ بخشا۔ جہاں کوئی میم اور اس کا بچہ نظر آتا اس کو قتل کرتے۔ اور بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کرتے۔

بغاوت | غرض یہ بغاوت جب ممالک اور دھ میں خوب پھیل گئی اور اس کے شعلے صوبہ بہار اور بدھیکھنڈ میں بھی جا پہنچے اور نارٹوٹنے، ریلین لٹنے، راستے بند ہونے کے واقعات رونما ہونے لگے تو ۸ جون کو انگریزی فوجوں نے دہلی پر حملہ کیا۔ اور ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی کے قلعہ میں داخل ہوئیں۔

ظفر شاہ کی گرفتاری | جب قلعہ دہلی کو چاروں طرف سے انگریزوں نے گھیر لیا تو بڈسن نے فوجی افسروں پر مشتمل ایک وفد بادشاہ کے پاس بھیجا جس نے زبانی پیام دیا کہ بادشاہ کو اب انگریزوں کا مطیع ہونا چاہیے۔ بادشاہ نے فیصلہ کیا بڈسن اور اس کے ساتھی اپنی زبان سے وعدہ کریں کہ بادشاہ کو کوئی گزند نہ پہنچائی جائے گی اور اس کی زندگی خطرہ میں نہ ہوگی۔ وہ اپنے آپ کو انگریزی فوج کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے بڈسن نے جواب دیا کہ اعلیٰ حضرت اور زینت محل اور زینت محل کے

لڑکے کی جانوں کی حفاظت کی جائے گی اور کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے چنانچہ بادشاہ کے سامنے ہڈن کھڑا ہو گیا اور بادشاہ سے تلوار مانگی۔ چنانچہ اس وقت ہڈن کے جلالی الفاظ کا ذکر جان ولیم کے۔ ایف۔ آر۔ ایس مصنف تایخ غدر دہلی کر تلو ہڈن نے سلطنت مغلیہ کے ہتھیار لے کر ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں تیموری خاندان کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ تلوار اور پیش قبض اس نے اپنے اردلی کو دے اور یہ اعلان کیا کہ اگر کسی نے شاہی قیدی کو (یعنی بادشاہ وغیرہ) انگریزوں کے قبضہ سے چھڑانے کی کوشش کی تو بوڑھے بادشاہ کو تختے کی طرح گولی مار دی جائے گی۔ (معاذ اللہ)

شہزادوں کا قتل اور لاشوں کا سڑانا | ہڈن بادشاہ کو سائبرس (جو دہلی سول اخر تھا)

کے والے کیلہ اور غور کشمیری دروازہ کے باہر جنرل کے پاس شہزادوں کو گرفتار کرنے کے لئے حکم لینے گیا۔ ہمایوں کے مقبرہ پر پہنچ کر اس نے شہزادوں کی بالکیاں اور دوسرے قیدی باہر نکلائے۔ شہزادوں کی سواری آگے آگے روانہ ہوئی مقبرہ کے لوگوں نے سڑک پر شہزادوں کو روک کر انے کی کوشش کی۔ تو ہڈن نے حکم دیا کہ شہزادوں کو فوراً بالکی سے باہر نکالو۔ ان کو باہر نکالا گیا اور رہنہ کے گولی مار دی گئی۔ مجمع پر بھی گولی چلائی گئی۔ اور قیامت برپا ہو گئی میسٹر کے انگریز مورخ اس واقعہ پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے۔

شہزادوں کا قتل کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

شہزادے اور مجمع کسی طرح بھی ان کے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ مجمع تنہا تھا اور کوئی ظاہری وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ شہزادوں کو قتل کرنے کے لئے کیا فوری ضرورت پیش آئی۔ ہڈیں نبو کہا تھا کہ میں خاندان دہلی کے بچے بچے کو کتنے ہی موت ماروں گا۔ اور انگریز عورتوں اور بچوں کے خون کا بدلہ لوں گا۔ وہ اس نے حرف بہ حرف پورا کیا۔ شہزادوں کو برہنہ کرنا اور قتل کرنا ایک ایسا فعل تھا جسے میں اور کوئی انگریز ایک شریف آدمی کا فعل نہیں کہتے ان کے علاوہ اور بیسیوں بے گناہ مارے گئے جن کے متعلق کوئی ثبوت نہ تھا کہ واقعی انہوں نے بغاوت کی ہے نہ شہزادوں کا الزام بغاوت قانونی طور پر سہم ہوا۔ اس لئے ہڈسن کی یہ حرکت واقعی قابل گرفت ہے۔ اس زمانے میں جس قدر سخت غلطیاں کی گئی ہیں ان سے بیسیوں بے گناہ مارے گئے۔ یہ ایک معمولی بات نہیں ہے۔ اگست کی آخری تاریخ کو ہڈسن لکھتا ہے کہ ”اگر میں محل میں پہنچ جاؤں تو خاندانِ تیموریہ کو پانچ منٹ میں ختم کر دوں۔“ چنانچہ ۲۲ ستمبر کو وہ لکھتا ہے مجھے خوشی ہے کہ میں نے چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر خاندانِ شاہی کے ممتاز لوگوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اب میرا مقصد پورا ہوا میں ظالم نہیں ہوں لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے ان ظالم بد معاشرہ کو اپنے پاؤں سے روندنا۔ اُس نے یہ بھی کہا اگر مجھے خوف نہ ہوتا

تو بادشاہ کو بھی زندہ گرفتار کرنے کے بجائے قتل کر دیتا۔ اور اس کا سر لے کر بازاروں میں گھومتا۔ چنانچہ شہزادوں وغیرہ کی لاشیں چاندنی چوک کی کوٹوالی کے سامنے لاکر پھینک دیں اور لوگوں کو دیکھنے نہ لے ان کو کھٹا چھوڑ دیا جب وہ سڑنے لگیں اور صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوا تو دفنا دی گئیں۔

۱۸۶۰ء میں لارڈ میکالے کا تیار شدہ ضابطہ تعزیرات ہند ۱۸۶۰ء میں منظور

قانون فوجداری کا نفاذ

ہو کر قانون بن گیا۔ جس میں سزائیں چھ قسم کی مقرر کی گئیں۔ اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ چنانچہ چھ طریقہ سزایہ ہیں۔

(۱) سزائے موت (۲) جس بعور دریائے شور (۳) بامشقت قید (۴) محض قید (۵) ضبطی جائداد (۶) جرمانہ اس کے علاوہ بعض قیدیوں کو سزائے نازیبا بھی مقرر کی۔ ان سزائوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بغاوت کی سزا جو شخص حکومت ہند کے مقابلہ میں جنگ کرے یا ایسی جنگ کرنے کا اقدام کرے یا اس میں اعانت کا مرتکب ہو اس کو موت یا جس دوام بعور دریائے شور کی سزا دی جائے گی اور اس کی کل جائداد بھی ضبط ہو سکتی ہے۔

اسی طرح جو شخص حکومت کے مقابلہ میں جنگ کرنے کی نیت سے ہتھیار فراہم کرے تو اس کو جس دوام بعور دریائے شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔

جنگ کرنے کی تدبیر تباہی والے، نیر سرکاری ملازم کی حراست سے اسیر سلطان یا اسیر جنگ کے فرار ہونے پر۔ یا کسی سپاہی یا خلاصی جہاز کو خدمت منصبی نہ کرنے دینے پر موقوفہ الذکر سزا دی جائے گی۔ مزید جرمانہ بھی ہو سکتا ہے فراری سرکاری نوکر کو نپاہ دینے کی سزا دوس اور عدول چھٹی میں کسی سپاہی یا خلاصی جہاز کی اعانت کی سزا چھ مہینے تک دی جاسکتی ہے۔

قتل کی سزا | جو شخص قتل عمد کا مرتکب ہو اس کو سزائے موت یا جس دوام بعور دریا سے شور اور جو قتل قتل عمد کی حد کو نہ پہنچتا ہو تو اس کے قاتل کو صرف جس دوام بعور دریا سے شور کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو شخص نابالغ لڑکے یا بچوں کے قتل میں یا خود کشی کرنے میں اعانت کرے اس کو سزائے موت یا جس دوام بعور دریا سے شور یا ایسی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس سے زائد نہ ہوگی۔

ٹھہکی کی سزا | جو شخص لوگوں سے اس غرض سے دوستی رکھے گا کہ وہ ان کو قتل کرے یا جبراً چوری کرے اور بچوں کو چرائے اس کو ٹھہکی سمجھا جائے گا اور اس کی سزا بعور دریا سے شور ہوگی۔

استقاط حمل کی سزا | جو شخص بالا ارادہ کسی عورت کے استقاط حمل کا باعث ہو اور بدبیتی سے حمل گرایا گیا ہو اور بچہ میں جان پڑ چکی ہو تو اس کی سزا سات برس تک ہو سکتی ہے اگر بچہ میں جان نہ پڑی ہو اور تب حمل ساقط کیا ہو اس کی سزا تین برس سے

نہ آمد نہ ہوگی۔

عورت کی بلا رضا مندی استقراط عمل اُس بچے کے منہ پر جس میں جان پڑ گئی ہو جس بصور دریا سے شور کی سزا دی جائے گی یا دونوں قسموں میں ایک سزا دی جائے گی جس کی مباح و دس برس تک ہو سکتی ہے اور بلا رضا مندی عورت کے استقراط عمل کرنے میں عورت کی جان چلی جائے تو اس کی سزا جس دوام بصور دریا سے شور ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مرد کو
غنت کر دے یا آنکھ

اعضائے جسمانی معدوم کر پکی سزا

نکال دے یا کان کاٹ لے یا کسی اور عضو جسمانی کو معدوم کر دے یا کسی بڑی یا دانت توڑ ڈالے تو اس کو ضرب شدید شمار کیا جائیگا۔ بالا ارادہ ضرب شدید پہنچانے والے کو سات سال تک اور بغیر ارادہ کے ضرب شدید پہنچانے والے کی سزا جس کا اشتغال کی حالت میں ارتکاب ہوا ہو چار برس تک مل سکتی ہے ضرر پہنچانے کے لئے میہوش کرنے والی دوا کے کھلانے پر دس سال تک جیل خانہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

ملکی ذہنیوں کا نقصان ملاحظہ ہو۔
۱۹۳۵ء تک امریکہ میں غنت کر پکی

امریکہ میں قانوناً نامرد کیا جانا

قانوناً اجازت تھی چنانچہ جو شخص یہ خواہش رکھتا تھا کہ اس کو قوت مردی کے اعتبار سے ناکارہ کر دیا جائے تو اس کو ناکارہ کر دیا جاتا تھا متحدہ ریاستہائے امریکہ کے جیل خانہ "سان کوئینٹن" کی رپورٹ سے

جو شخص کسی مرد یا عورت یا حیوان
بلا ارادہ و طی خلاف وضع فطری کرے

خلاف وضع فطری کی سزا

اس شخص کو جس مقام بعبور دریا سے شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی
سزا دی جاسکتی ہے۔ جس کی میعاد دس سال تک ہو سکتی ہے۔ مزید جرمانہ
بھی کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہوتا ہے کہ سلسلہ میں میں قیدیوں کو ان کی خواہش کے مطابق
نامہ دیا گیا۔ سلسلہ میں اکتیس قیدیوں کو ادرستہ میں یکم مئی تک
تینتیس قیدی نامہ رکھے گئے۔

اپریشن کا طریقہ: خسیوں کو شگاف دے کر نکالنا ہوتا تھا یہ طریقہ
بہت کلی نوریہ کے ایکٹ ۵۳۹ سلسلہ کی رو سے جائز ہے اس
کے مطابق اگر ڈاکٹر کے خیال میں کسی قیدی کو اس کی جفیت سے محروم کر دینا
جسمانی، دماغی، اخلاقی حالت کے لئے مفید ہوتا تو اسے صنفی اعتبار
سے ناکارہ کیا جاسکتا تھا۔

روٹن ایمپائر کے آخری دور انحطاط میں جو انور
سے بد فعلی بہت عام ہو گئی تھی اور اسے معیوب

تاریخ بد فعلی حیوانات

نہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ جو لوگ جانوروں کے ساتھ بد فعلی کو پسند کرتے تھے
وہ اپنے پسند کے جانوروں کے نام کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کرنا
فخر سمجھتے تھے مثلاً جو شخص بظنوں کے شائق ہوتے تھے وہ انسرای
(بطنی) اور جو لوگ بکریوں سے شوق رکھتے تھے وہ اپنے آپ کو کیریری

دیکر دی اور کتوں اور بندریوں کے دلدادہ بطوری کہواتے تھے۔
 قدیم روم کے مندر میں دیوی بونا ڈیا کے مراسم میں گدھے کی بدفعی شل
 کٹی۔ انہندائی دور مسیحیت کے بعض طہذروں میں حیوانات کے ساتھ بدفعی
 اور اخلام کو اچھا سمجھا جاتا تھا۔

جانوروں کی بدفعی کے خلاف کلیسہ انگلستان نے سخت آواز بلند کی
 اور سخت قانون بنائے۔ پارلیمنٹری ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرم کو
 اس جانور کے ساتھ جس سے وہ بدفعی کرتا تھا زندہ جلادیا جاتا تھا۔ روم
 کی عدالتوں میں اس جرم پر عوف جرمانہ ہوتا تھا۔ فرانس میں سزائے موت
 دی جاتی تھی۔ سترھویں صدی کے ایک فرانسیسی ماہر قانون کلاڈ برون
 ڈیلارانتھ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ مجرم انسان کے ساتھ اس جانور
 کو کبھی سزائے موت دی جائے جس کے ساتھ بدفعی کی گئی ہے۔ اس کا خیال
 تھا کہ اگر جانور کو ہلاک نہ کیا گیا تو اس کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں عمل بد
 کی یاد نازہ ہو جائے گی اور برے خیالات کی اشاعت ہوگی چنانچہ
 بعد میں فرانس کے شاہی کورٹ نے کلاڈ برون کا نظریہ تسلیم کر لیا تھا۔

۲۶ مئی ۱۸۲۶ء میں ایک شخص جی بوٹ وائٹ کو اس الزام میں پھانسی
 دے کر اس کی لاش جلانی گئی کہ اس نے گائے کے ساتھ بدفعی کی تھی
 گائے کو بھی اس شخص کی لاش کو جلانے سے پہلے جلادیا گیا تھا۔

۱۸۲۷ء میں ایک شخص گلڈ مولاٹھ کو ایک سورنی کے ساتھ بدفعی
 کرنے کے جرم میں زندہ جلادیا گیا۔

انسان کے اغوا کرے اور غلام بنانے کی سزا | جو شخص کسی انسان کو

برطانیہ مہندیں سے کسی ولی کی ولایت جائز سے لے بھاگے اس شخص کو سات سال تک اور جو قتل عمد کے لئے کسی انسان کو کھنگالے جائے اس کو دو سال تک سزا دی جاسکتی ہے۔

جو شخص کسی انسان کو غیر ملک سے غلام کے طور پر لائے یا غیر ملک میں سے لے جائے یا دوسری جگہ پہنچائے یا خریدے یا بیچے جو شخص کی مرضی کے خلاف غلام کے طور پر قتل کرے یا تجویز میں لے تو درمیان سال تک کی سزا کا مستحق ہو سکتا ہے۔ مزید جرم نامہ بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔ غلامی غلاموں کی تجارت کرنے والوں کو اگر کسی نابالغ کو قتل شیع کی غرض سے بیچنے یا ہیرے پھرنے والوں کو دو سال تک سزا مل سکتی ہے۔

زنا یا بھجری کی سزا | جو مرد عورت کی مرضی کے خلاف یا عورت کی رضا مندی یا عورت کے ساتھ جبکہ اس کی رضا مندی

یا ضروری تھوڑے سے حاصل کی گئی ہو یا عورت کی رضا مندی کے ساتھ جبکہ

۵ جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک شخص جن کو میلا مسوئلہ کو گدھی کے ساتھ صحبت کرنے کے الزام میں زندہ بھلا دیا گیا اور اس کی چار گدھی کو ذبح کر کے ڈال دیا گیا۔

طو لوں میں اسی سال ایک عورت کو کتے کے ساتھ برا کام کرنے کے سلسلہ میں زندہ بھلا دیا گیا (انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۲۴۲)

مرد یہ جانتا ہو کہ وہ اس عورت کا شوہر نہیں ہے اور عورت اس کو اپنا شوہر سمجھ رہی ہے یا عورت کی رضامندی کے ساتھ جب کہ اس کی عمر دس برس سے کم ہو جماع کرے گا تو اس کو نسا بالجبر سمجھا جائے گا۔ البتہ مرد کا جماع اپنی بیوی سے جبکہ اس کی عمر دس سال سے کم نہ ہو زنا بالجبر نہیں کہلایا جائے گا۔ زنا بالجبر کا سزا اس بغیر دریا سے شور ہو سکتی ہے جس کی میعاد دس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔

چوری کی سزا | جو شخص بدیتی سے کوئی مال منقولہ کسی شخص کے قبضہ سے اس کی بلا رضامندی کے لے لے تو اس شخص کو چور سمجھا جائے گا۔ اور اس کے اس فعل کو سرقہ کہا جائے گا۔ ایسے شخص کی منزلتیں سال تک ہو سکتی ہے۔

کسی عمارت میں آگ لگا کر سرقہ کرنے اور آقا کے قبضہ میں سے نوکر کے مال لے جانے یا لے جانے کے اقدام میں سات سال تک اور سرقہ کے ارتکاب کی غرض سے ہلاک کرنے یا ضرب شدید پہنچانے کی تیاری کرنے کے بعد سرقہ کرنے کی دس سال تک سزا ہو سکتی ہے۔

جو شخص سرقہ کے ارتکاب کے لئے یا سرقہ کے ارتکاب میں یا اس مال سے لے جانے یا لے جانے کے اقدام میں جو سرقہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ بالارادہ کسی شخص کی ہلاکت یا ضرر یا مزاہمت بے جا کا باعث ہو یا اس کے باعث ہونے کا اقدام کرے یا فوراً ہلاک ہونے یا فوراً ضرر یا فوراً مزاہمت بے جا اٹھانے کی تخلف کا باعث ہو یا اس کے باعث ہونے کا اقدام کرے تو وہ سرقہ بالجبر کا مجرم ہوگا۔ جس کی سزا دس برس تک دی جا سکتی ہے۔ اگر سرقہ بالجبر کا ارتکاب

شام عام پر غروب و طلوع آفتاب کے درمیان کیا جائے گا تو قید کی مہم عمار
چودہ برس تک ہو سکتی ہے۔

ڈکیتی کی سزا | جب پانچ یا زیادہ اشخاص شامل ہو کر سرقہ یا بکچر از کتاب
یا اقدام کریں۔ یا جب کہ ان اشخاص کی کل تعداد جو سرقہ
یا بکچر کا ارتکاب یا اقدام شامل ہو کر کرتے ہوں معہ تعداد ان اشخاص کی جو حاضر
ہوں اور اس کے ارتکاب یا اقدام میں مدد کرتے ہوں یا پانچ سے زیادہ ہوں
تو ہر ایک شخص ارتکاب کرنے والا یا اقدام کرنے والا یا اس میں مدد کرنے والا ڈکیتی
کا مرتکب ہوگا۔ جس کو حبس بعمر دریائے شور یا قید سخت کی سزا دی جائے گی
جس کی مہم عمار دس برس تک ہو سکتی ہے۔ قتل عمر کے ساتھ ڈکیتی کی سزا موت
یا حبس دوام بعمر دریائے شور یا قید سخت کی سزا دی جائے گی جس کی مہم عمار
دس برس تک ہو سکتی ہے۔

جعل سازی کی سزا | جو شخص کوئی جھوٹی دستاویز یا اس کا کوئی
حصہ اس نیت سے بنائے کہ عام غلطی
یا کسی شخص کو مضرت یا نقصان پہنچائے یا کسی دعوے یا استحقاق کی تائید کرے
یا کسی شخص سے کوئی مال علیحدہ کرے یا کسی معاہدہ لفظی یا معنوی کو کرنا باعث
ہو یا اس نیت سے کہ فریب کا ارتکاب کرے یا فریب کا ارتکاب کیا جائے تو
وہ جعل سازی کا مرتکب ہوگا اس کی سزا دو سال تک ہو سکتی ہے۔ کورٹ آف
جسٹس کے کاغذ سرشتہ یا دلائل کے عام رجسٹر وغیرہ کو جعلی بنائیں
سزائے سال تک ہے۔

دوسری عورت سے جماع کرنے پر سزا | جو شخص کسی ایسی عورت سے جو کسی دوسرے مرد کی

بیوی ہے یا جس کو وہ بھانتا یا باور کرنے کی وجہ رکھتا ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد کی بیوی ہے۔ اس مرد کی پارہ نامندی یا مسامحت کے جماع کرے تو وہ زنا با بکر نہیں ہوتا لیکن وہ شخص زنا کے جرم کا مرتکب ہوگا۔ جس کی سزا پانچ سال تک ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں بیوی معین کے طور پر سزا کی مستحق نہ ہوگی۔ جس عورت کا شوہر زندہ ہو وہ اس کی زندگی میں دوسری شادی کرے تو جرم ہے۔ اس کی سزائے موت ہے۔

توہین کرنے کی سزا | جو شخص کسی کی توہین کرے گا یا دل دکھائے گا یہ سہمٹے ہوئے کہ اس کی اس سے توہین ہوگی۔ درج ذیل کی سزا اور وہ بدنام ہوگا تو وہ شخص توہین کرنے کا مجرم ہے۔ جس کو دو سال

سزا خانہ کی نقل و حرکت | فرانس کے عہد قدیم کی یہ رسم تھی کہ جو عورت مشقت چاہے اور کتنی

سزا خانہ کی سزا گاہ ایک پچ سے مغل کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ سن ۱۷۳۲ء میں ایک نرسسسی تھری تیرے نے جو کسال میں لازم تھا اپنی بیوی کے چال چلن شبہ ہو کر اس کی کمر میں وہ بیٹی باندھ دی۔ بیوی نے پولیس میں اطلاع دی۔ شوہر بیوی پر ظلم کرنے کے الزام میں ماخوذ ہوا۔ اس میں مافیہ سخت کی سزا ملی۔ اپیل کرنے پر ایک ہفتہ کی سزا بحال رہی۔ انسائیکلو پیڈیا صنفیات (۲۰۹)

تک سزا دی جاسکتی ہے

اگر کوئی شخص کسی شخص کی اس طرح سے مزامنت
حبس بیجا کی سزا بے جا کرے کہ اس شخص کو کسی حدود محیط کے باہر

جانے سے روکے تو اس کو حبس بے جا کہا جائے گا۔ جس کی سزا ایک ماہ
 یا پانچ سو روپیہ جرمانہ تک ہو سکتی ہے تین یا تین دن سے زیادہ دن تک
 حبس بے جا میں رکھنے پر دو برس کی اور دس یا دس دن سے زیادہ دن تک
 حبس بے جا میں رکھنے پر تین برس تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔

جو شخص عدالت کی کارروائی کی کسی حالت
جھوٹی گواہی کی سزا میں قصداً جھوٹی گواہی دے یا اس غرض
 سے جھوٹی گواہی بنائی جائے کہ وہ عدالت کی کسی کارروائی کو کسی حالت
 میں کام میں لائے تو اس کو دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی سزا دی جاسکتی
 ہے۔ جس کی میعاد سات سال تک ہو سکتی ہے۔

سزائے موت کے مقدمہ میں ملزم کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کی
 سزا جس دوام بعور دریا ہے شور دی جاسکتی ہے جس کی میعاد دس برس تک ہے
 اگر اس کی شہادت سے کوئی شخص سزائے موت پا جائے اور اس کی شہادت غلط
 ثابت ہو جائے تو ایسا شخص سزائے موت کا مستحق ہے۔

جو شخص حکومت ہند کے سگہ کو
سگہ اور اسٹامپ بنانی کی سزا بنائے یا فروخت کرے یا اس کو
 خریدے۔ اس کی سزا کی میعاد سات سال ہے اور جو شخص اس کے بنانے کے

افزار رکھتا ہے تو وہ دس سال کی سزا کا مستحق ہے۔ اسی طرح جو شخص گورنمنٹ کے جعلی اسٹامپ بنانے کا سامان رکھے گا۔ اس کی سزاسات سال ہے اور جو بنا کر بیچے گا اس کی سزا جس دوام لعبور دریائے شور یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔

نہی دل آزاری کی سزا | کوئی شخص کسی عبادت گاہ یا کسی شے کو جو لوگوں کے کسی فرقہ کے نزدیک متبرک ہو خراب کرے یا مفرت پہنچائے یا جس کرے یا کسی فرقے کے مذہب کی توہین کرے تو اس کو دو سال تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔ قبرستان وغیرہ میں مداخلت بے جا کرنے، لاش کی تدفین کرنے پر ایک سال کی سزا ہے اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔

قمار بازی کی سزا | ۱۸۶۷ء میں قمار بازی ایکٹ کا نفاذ ہوا جس میں پولیس کو اختیار دیا گیا۔

(۱) جو روپیہ یا قیمتی شے پر لگا کر ناش یا پاسہ یا کو سٹریا دیگر آلات قمار بازی میں مستعمل ہوتے ہوں جو محض ہنر وری کی بازی نہ ہو کیسی عام سڑک یا مقام یا گذرگاہ عام پر پرندوں یا جانوروں کو لڑاتا ہوا پایا جائے یا وہاں موجودہ کپرندوں یا جانوروں کی لڑائی میں علانیہ مدد اور اعانت کرتا ہوا پایا جائے۔ اس کو ہر ایک پولیس بلا وارنٹ گرفتار کر سکتا ہے۔ اس کی سزا قید اور جرمانہ دونوں ہیں۔ اگر کوئی شخص اس جرم میں دوبارہ گرفتار ہوگا تو اس کی سزا چھ ماہ اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ، تیسری مرتبہ پھر اسے قید ایک سال

اور ہزار روپیہ جرمانہ۔ چوتھی مرتبہ بھی جرم کرے گا تو دو سال کی سزا کا مستحق ہوگا۔

بلا لائسنس کے شراب بنانے پر سزا | جو شخص اشیائے مسکرہ چرس، بھنگ، گانجبا،

کوکین، تارڑی، شراب کو بلا لائسنس درآمد یا برآمد کرے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے یا تیار کرے یا جمع کرے یا قبضہ میں رکھے یا کسی بھی یا بوزہ خانہ کی تعمیر کرے یا اس کو استعمال کرے۔ اس کو دو سال تک کی سزا قید یا دو ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کو بلا لائسنس بغرض فروخت بوتلوں میں بند کرے یا کسی تڑی کے درخت میں شگاف دے اور تارڑی حاصل کرے اس کو ایک سال تک کی قید یا دو ہزار روپے تک جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے یا دونوں سزائیں مل سکتی ہیں۔ شراب پینا جرم نہیں ہے بشرطیکہ پی کر عام راستوں میں بہکا نہ جائے اور نہ بکواس کی جائے۔

عورتوں کی تجارت کرنے پر سزا | قحبہ خانے کھولنے یا کسی مقام پر بد چلتی کے لئے عورتوں کی

خرید و فروخت کرنے پر دو سال کی سزا یا مشقت اور ہزار روپیہ جرمانہ ہے بد چلتی سے روپیہ پزیر کرنے والے اور دوسرے آدمی کی بد چلتی کی کمائی پر گزارہ کرنے والوں کو تین سال اور دو ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جاسکتی ہے دوسرے آدمی کی بد چلتی کی کمائی پر گزارہ کرنے والا اگر مرد ہے تو اس کو سزائے قید اور جرمانہ کے

کوڑوں کی سزا

ساتھ ساٹھ کوڑوں کی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

خلائی عامہ کو تکلیف دینے پر سزا پولیس ایکٹ نمبر ۱۹۴۷ء میں خاص عہدے داران اور معمولی

عہدیداروں کے اختیارات، محکمہ پولیس کی غرض و غایت، ملازمت چھوڑنے کے طریقے اور سپاہیوں کے فرائض ان کے موقوف ہونے کی وجوہات و سزائیں اور پختہ کی ڈیوٹیاں انجام دینے کی تفصیل ہے۔ اس ایکٹ میں خاص طور پر دفعہ ۳۴- خلائی عامہ کو آدام پنچانے سے متعلق ہے۔ چنانچہ ہر عہدیدار پولیس کو اختیار ہے کہ ہر ایسے شخص کو بلا وارنٹ کے گرفتار کرے۔ جو کسی شارع عام، کوچہ یا کھلے مقام میں مندرجہ ذیل جرائم میں سے کسی ایک کا رویہ عہدیدار پولیس کے مرتکب ہو کر خلائی عامہ کی تکلیف یا خطرے کا باعث ہو۔

(۱) سوار ہو کر کسی جانور کو بے پرواہی سے یا بہت تیزی سے دوڑانا یا گھوڑے یا اور جانوروں کو سدھانا یا نکالنا یا کسی جانور کو زخم کرنا مردہ جانور کی لاش کو صاف کرنا۔

(۲) کسی جانور کو ناحق بے رحمی سے مارنا یا اسکے ساتھ بدسلوکی کرنا یا تنگ کرنا۔

(۳) کسی جانور یا گاڑی کو اس سے زیادہ ویزنگ کھڑا رکھنا جو سواری یا مال

انارنے چڑھانے کے لئے ضروری ہو۔ یا گاڑی اس طرح چھوڑنا جو عامہ خلائی کے خطرے کا باعث ہو۔

(۴) فروخت کے لئے کسی مال کا باہر کھلو کر رکھنا۔

(۵) کوڑا کرکٹ یا میلا یا مکان کی تعمیر وغیرہ کا مصالحہ یا پتھر پھینکا یا ڈالنا

(۶) قصداً بے حیائی سے اپنا بدن کھولنا یا مکروہ جسم کو دکھانا (گورمی وغیرہ) یا کسی تالاب یا حوض میں پیشاب کرنا یا پاخانہ پھرنایا نہانا یا کچھ دھونا جو ان کاموں کے لئے مخصوص نہ ہو۔

(۷) متوالا یا نشہ کی حالت میں غل چھاڑ کر تے ہوئے پایا جانا اپنی حفاظت کے قابل نہ رہنا۔

(۸) کسی تالاب یا چاہ یا خطرناک مقام کے گرد جنگلات نہ لگانا یا اس کی واجبی حفاظت کرنے میں غفلت کرنا۔

تو ایسے شخص کو مجرم ثابت ہونے پر پچاس روپیہ تک جرمانہ یا اکھڑوز تک قید یا مشقت کی سزا دی جاسکتی ہے۔

کوئی شخص بغیر لائسنس کے حامل جانوروں کے شکار پر پابندی | کئے شکار نہیں کھیل سکتا۔ خواہ

شکار بندوق سے کھیلنا ہو۔ یا جال سے۔ یا بارے۔ یا شکرے سے یا کتوں سے نیز کوئی شخص کسی جنگلی پرندے یا جانور کو نہ مار سکتا ہے نہ پکڑ سکتا ہے۔ نہ قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔ نہ اس کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ سوائے گوشتوارہ کے تا بیخ مقررہ کے۔

سوائے ۲۵ قسم کے جاندار جانوروں کو جن کا گوشتوارہ ایک میں ذکر ہے۔ دوسرے گوشتوارہ کے ۳۳ قسم کے جانوروں کو بلا لائسنس مقررہ میعاد میں مارا، پکڑا، یا خرید و فروخت کیا جاسکتا ہے۔ تیسرے گوشتوارہ کے ۸۰ جانوروں کو دوسرے گوشتوارہ کے جانوروں کی طرح گولی سے نہیں

مارا جاسکتا۔ پونے گوسوارہ کے پانچ جانور یا لتو جانوروں اور پرندوں کی
 حیثیت سے مقررہ طریق پر اور مقررہ مدت تک سال میں قبضہ کے اندر کہا جاسکتا ہے
 پہلے گوسوارہ میں طوطا، لہری طوطا، شیر راج سنس، جنگلی بلی، سونڈر
 چوہا، گلہری، نیل گاؤ، بھٹیا، نیلا، جنگلی کتا، چمگا ڈر وغیرہ طیور و جانور ہیں۔
 گوسوارہ دوم میں سفید چکوا، لال سرخاب، نیل سرخاب، لال سر،
 جیتوا، پہاڑی، کر سیاؤ وغیرہ طیور ہیں۔

گوسوارہ سوم میں کبوتر، فاختہ، مور، جنگلی مرغی، تیتھر، بکور، لاوا،
 مونا، آبی، نقری، جھونا گورخ، رنگیلا چاہا، حل کلڑی وغیرہ طیور ہیں۔

گوسوارہ چہارم میں شیر، ہاتھی، اونٹ وغیرہ ہیں۔
 چھوٹے شکاری کے لائسنس کی فیس پانچ روپے اور اور بڑے شکار
 کے لائسنس کی فیس آٹھ روپے سالانہ ہے۔ جس کا زمانہ ۱۵ اگست سے
 یکم اپریل تک ہوگا۔

بلا لائسنس کے شکار کی سزا | خلاف ورزی کی صورت میں
 پہلی مرتبہ پچاس روپے تک

جرمانہ ہوگا۔ عدم ادائیگی جرمانہ کی شکل میں ایک ماہ تک کی سزا دی جاسکتی ہے
 دوسری مرتبہ جرم کے ارتکاب میں پانچ سو روپیہ جرمانہ اور عدم ادائیگی کی
 صورت میں تین ماہ تک کی قید ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ لائسنس ضبط بھی کر لیا جائیگا

قوانین برطانیہ کا نقص | انگریزی انصاف و عدل کے بارے میں
 اکثر لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ انصاف

بہت ہنگامہ اور تکلیف کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ذیل میں اس قسم کی وہ مثالیں دی جاتی ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ عدالتوں میں جاگزی مقدمہ کی پیروی کے لئے کس قدر روپیہ اور وقت برباد کرنا پڑتا ہے اور کتنی پریشانیوں کے بعد انصاف حاصل ہوتا ہے۔

ایک شخص سکنہ چاہ میراں لاہور فوت ہو گیا۔ ریلوے کے ذمہ اس کا

ہنگے انصاف کی مثالیں

۲۱۰ روپیہ واجب تھا۔ اس کے نابالغ بچوں نے اپنی ماں کے ذریعہ سرٹیفکیٹ جانشینی کے لئے عدالت میں درخواست دی تاکہ ریلوے سے روپیہ وصول کیا جاسکے۔ یہ درخواست ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء کو صاحب سینئر سبجج لاہور کی عدالت میں پیش کی گئی جہاں سے وہ ایک سبجج درجہ دوم کی عدالت میں سپرد ہوئی۔ پہلی تاریخ، جنوری ۱۹۳۲ء پڑی اور اس روز سے لے کر دسمبر ۱۹۳۲ء تک پورے گیارہ مہینوں میں قریباً بارہ پیشیاں سائل کو صرف اس واسطے بھگتنی پڑیں کہ متوفی کے رشتہ دار سمن لینے سے گریز کرتے تھے اور ان کی تعمیل ضابطہ کے مطابق نہ ہوتی تھی۔ آخر عدالت کو حکم دیا کہ اگلی تعمیل بذریعہ منادی کرا دی جائے۔ ۷ ستمبر ۱۹۳۲ء سے یکم مارچ ۱۹۳۳ء تک چار پیشیوں میں منادی کے متعلقہ ضابطہ کی تکمیل ہوئی۔ اور اتفاق سے ایک شخص منجملہ رشتہ داران فوت ہو گیا۔ اب اس کا وارث نامزد ہونا ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر گگے کا روائی قطعاً نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ۲۰ اپریل ۱۹۳۳ء تک چار پیشیاں اس میں صرف ہو گئیں۔ اور ۲۵ مئی ۱۹۳۳ء کو

شہادت یک طرفہ کے لئے مقرر ہوئی کہ عدالت بدل گئی۔ اور ۲۵ مئی سے ۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء تک کچھ معلوم نہ ہوا کہ مقدمہ کون کون سے مرحلے طے کرتا رہا۔ آخر ۵ اکتوبر کو نئے جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا اور رشتہ داران ہنونی کی مکرر تعمیل پر دو پیشیاں اور صرف کرنی پڑیں۔ آخر کار ۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کو شہادت ختم کی گئی۔ اور ۱۳ دسمبر ۱۹۳۳ء کو پورے چھ دن کم دو سال میں سٹیفکیٹ کا منہ دکھنا نصیب ہوا۔ خرچ کا اندازہ پچاس ساٹھ روپیہ کسی صورت سے کم نہیں تھا۔ گویا ۲۱۰ روپیہ کے سٹیفکیٹ جانشینی حاصل کرنے میں کیا صرف ہوا۔

وقت	۳ دن کم ۲ سال
روپیہ	پچاس یا ساٹھ

(۲) ایک شریف آدمی کو ایک غنڈے نے سر بازار مارا۔ گالیاں دیں۔ اور بڑی طرح بے عزت کیا۔ اس شریف آدمی نے اس غنڈے کے برخلاف زیر دفعہ ۳۲۳ تعزیرات ہند استغاثہ دائر کیا۔ پہلے روز کے خرچ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فیس ڈاکٹر برائے معائنہ و سٹیفکیٹ	۵ روپے
کمپوٹر	۱ روپیہ
فیس وکیل	۱۰ روپے
منشی	۱ روپیہ
کورٹ فیس و کالت نامہ	۱ روپیہ

کورٹ فیس استغاثہ

۱ روپیہ

بالائی خرچ

۲- روپے ۸- آنے

میزان ۲۱ روپے ۸- آنے

استغاثہ ایک بیچ آنریری مجسٹریٹ کے سپرد ہوا اور دوسرے روز
مستغیث کا بیان اور دوسری گواہوں کی شہادت ہوئی۔ اس روز کا
خرچ حسب ذیل

۴ روپے

گواہوں کا خرچ

۱ روپیہ

بالائی خرچ

۸ آنے

طلبانہ

میزان ۵ روپے ۸- آنے

سرسری شہادت کے بعد ملزم کی حاضری کے لئے وارنٹ جاری
ہوئے اور بعض تحصیل پولیس میں بھیجے گئے۔ تاریخ مقررہ پر ملزم حاضر عدالت
ہوا۔ اس کی ضمانت لی گئی۔ اور شہادت استغاثہ کے واسطے تاریخ دی گئی۔
مستغیث نے چار گواہ موقعہ لڑائی کے اور ایک ڈاکٹر طلب کیا جس
پر ۱۲ روپے ۴ آنے صرف ہوئے لیکن صرف دو گواہوں کی تعمیل ہوئی تھی اس
لئے تاریخ تقررہ پر دو گواہان حاضر ہونے کے بیان قلمبند نہیں ہو سکے کیونکہ شہادت
مکمل موجود نہیں تھی۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ مستغیث آئندہ پیشی پر اپنی شہادت
مکمل پیش کرے خود سہ لاکھ یا طلب کرے۔ اور موقعہ نہیں دیا جائے گا
جب تاریخ آئی تو مستغیث کی مکمل شہادت موجود تھی جس کے لانے پر

مستغیث کے ۵ روپے ۲- آنے سرکاری طور پر یعنی خوراک طلبانہ) اور قریباً ۴ روپے تانگہ وغیرہ پر ایسٹ خرچ ہوئے تھے۔ لیکن قسمتی سے آج بچ مکمل نہیں تھا اس لئے شہادت واپس کی گئی اور ۱۳ روپے مزید بطور جگہ گواہوں کو دے کر انہیں آئندہ پیشی کے لئے پابند کیا گیا۔

آئندہ پیشی پر شہادت بھی ساری موجود تھی جس کے لئے پھر تین روپے خرچ ہوئے تھے اور بچ بھی مکمل تھا لیکن ملزم موجود نہیں تھا۔ اور اس نے بیماری کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا تھا اس لئے گواہان کو پھر ۱۳ روپے دے کر پابند کیا گیا۔

آئندہ پیشی پر پھر مستغیث کی بد قسمتی سامنے آئی اور ایک محسٹریٹ حسب بیمار ہو گئے۔ لہذا بوجہ بچ نامکمل ہونے کے شہادت پھر واپس ہوئی اور ان کو پابند کرنے کے واسطے پھر ۱۳ روپے خرچ ہوئے (تانگہ کا خرچ اس کے علاوہ تھا) الغرض اسی طرح کی دو تین اور پیشیوں کے بعد شہادت استغاثہ تحریر کی گئی۔ ملزم کا بیان لے کر اس پر فرد جرم لگائی گئی اور فرد جرم کے بعد مستغیث کو پھر حکم دیا گیا کہ اپنی شہادت دوبارہ پیش کرے کیونکہ ملزم ان پر مکر جرح کرنی چاہتا ہے۔

یہ مستغیث کی خوش نصیبی تھی یا حسن اتفاق کہ مکر جرح پہلی ہی پیشی پر ختم ہو گئی۔ اور ملزم کی صفائی لینے کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ صادر کیا کہ جس میں ملزم کو مجرم قرار دیا گیا تھا۔ اور مبلغ ۱۵ روپے جرمانہ کی سنگین سزا دی گئی تھی۔ اس فیصلہ کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ سزا دراصل کسے ہوئی ملزم کو یا

مستقیقت کو ہا جسے اپنے مقدمہ کے لیے بیرونی پر پورے ۔۔۔ ۸۔ ۱۳۳
روپے صرف کر لے پڑے۔ اور پھر یہ بھی سمجھ نہیں رہا جاسکا کہ ملزم کو سزا دی گئی
ہے۔ اپیل میں بحال بھی رہے گی یا نہیں۔

بہر حال مستقیم کی حاکمیت قابلِ رحم ہے۔ میرا زارا بھی کھائی گا یا
کھجائی نہیں۔ ذلیل بھی ہوا۔ اور مقدمہ پر ۔۔۔ ۸۔ ۱۳۳ روپے بھی صرف کرنے
پڑے۔ اور اس قدر طویل عرصہ تک عائزہ کی عدالت میں جو تکلیف و پریشانی اٹھانی
پڑی اور گواہوں کی خوشامد اور خاطر داری کرنی پڑی وہ اس کے علاوہ تھی۔ یہ
روزمرہ کے واقعات ہیں جو عدالتوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔

موجودہ عدالتوں کی شہادتیں | یہ حال تو انصاف کا ہے اور مقدمات
میں حق و صداقت سے کتنا کام لیا جاتا
ہے اس کا اندازہ مسٹر نیگ چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ کی حسبِ ذیل تقریر سے
(جو انہوں نے ۱۹۳۷ء میں کی) لگایا جائے۔

جب میں ہندوستان آیا اور سمجھے بتایا گیا کہ اس ملک میں
دیوانی اور فوجداری مقدمات کے لئے علی العموم جھوٹی شہادتیں
تیار کی جاتی ہیں۔ تو میری حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں انفس
سے کہتا ہوں کہ میرے اپنے تجربہ میں بھی یہی بات آئی ہے جو بھگت
مقدمہ میں یہ عام شے ہے ”سچ بولو عدالت میں نہیں ہو“۔ اور اس میں
شک نہیں کہ بیشل ہو بھگت مقدمہ میں ہی نہیں بلکہ کل ہندوستان میں ایسے
قابلِ ترین و کلائے ہندوستان کے خیال کے مطابق اس ملک کی

عدالتوں میں گواہوں کی بہت بڑی تعداد جھوٹ بولنے کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ اس بدی کی جزوہ حلف یا قسم ہے جو گواہوں کو ۱۹۴۷ء کے ایکٹ کے بموجب دلوائی جاتی ہے (یعنی ہم خدا یا پر مشور کے سامنے ایمان سے اقرار کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں سچ کہیں گے۔ سرگز جھوٹ نہ بولیں گے)۔

اس قسم کا اثر اس ملک کے باشندوں پر بھی کچھ نہیں ہوتا اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیوانی اور فوجداری عدالتوں میں جھوٹے مقدمات دائر کئے جانے اور چلائے جاتے ہیں۔ جو لوگ راستی پر ہوتے ہیں وہ بھی جھوٹی شہادت تیار یا تھپتا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ دوسرا فریق ایسا ہی کرتا ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس کی روک تھام کے لئے درجنوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ زبانی شہادتوں کے مواقع کم کئے جائیں۔ اور یہ رجسٹریشن کے قانون کو وسیع کرنے سے ہوگا۔

قسم کا صحیح طریقہ

دوسرا طریقہ بہترین شہادت پیش کرنے کا قسم دینے کے دستور میں تبدیلی ہے۔ قسم اور حلف کا ایسا موثر طریقہ اختیار کیا جائے جس سے لوگ ڈریں۔ دیہات کے ناخواندہ اور شہروں کے کم تعلیم یافتہ لوگوں کو ایسی قسم دی جائے جس سے وہ ڈرتے ہوئے مثلاً ہندو مل کیلئے

گنگا جلی رکھی جائے اور مسلمانوں کے لئے قرآن۔ اس سے شاید
 کچھ اصلاح ہو جائے۔ اس سے مقدمات میں کمی ہو جائے گی
 اور بہت سا وقت دوسرے کاموں کے لئے نکل آئے گا پھر
 خیال میں ہندو مذہب اور اسلام میں ایسی قسم کھانے سے کوئی
 امر مانع نہیں ہے اور ایسی قسم بعض ہندو ریاستوں اور اسلامی ممالک
 میں بھی رائج ہے۔ اگر یہ تجاویز اختیار کرنی جائیں تو میڈیا چارٹلے
 یہ الفاظ کہ ”ہم کسی آدمی کے ساتھ نہیں بکس گئے یعنی شہوت نہیں
 لیں گے کسی آدمی کی درخواست یعنی سے انکار نہیں کریں گے۔
 کسی آدمی کے ساتھ انصاف کرنے میں تاخیر نہ ہوگی“ ہندوستان
 کے لئے بھی درست ہو جائیں۔

نسلی امتیاز کا قانون

۱۹۸۸ء میں مسٹر البرٹ نے ایک بل
 پیش کیا جس کا مقصد تھاکہ سی جی
 کو بھی انگریزی ملازموں کے مقدمات فیصلہ کرنے کے اختیارات دے
 جائیں۔ لیکن انگریزوں نے اس بل کی مخالفت کی آخر اس بل پر
 یہ ترمیم کر دی گئی کہ اگر انگریز ملازموں کے مقدمات کی سماعت سی
 جیوں کی عدالت میں ہو تو جو ری کے کم انکم نصف مجسٹریٹ انگریزوں

وفاقی عدالت

گوئنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے ایک
 وفاقی عدالت بھی قائم ہوئی ہے۔ جو چھ ججوں کی پر مشتمل
 ہے الفاظ میں دستور کی ترجمان اور اس کی محافظ ہوگی اور غاصب و فاق کے

درمیان جو زراعی معاملات رونما ہوں گے ان کی فیصل بنے گی۔ یہ عدالت ایک چیف جسٹس آف انڈیا اور چند ججوں پر مشتمل ہوگی۔ اس امر کا فیصلہ کہ تعداد میں جج کتنے ہوں، ملک معظم ہی مناسب سمجھ کر کریں گے۔ ہرنج کا تقرر ملک معظم کی طرف سے ہو گا۔ اور ۶۵ برس کی عمر تک وہ اپنے عہدہ پر متمکن رہے گا مگر اس سے قبل بھی جج علیحدہ ہو سکتا ہے۔ یا تو وہ خود استعفیٰ دے سکتا ہے یا ملک معظم اسے غلط روی یا جسمانی یا دماغی کمزوری کی بنا پر معزول کر سکتے ہیں بشرطیکہ پریوی کونسل کی جو ڈیشنل کمیٹی جس سے ملک معظم استصواب کریں گے یہ رپورٹ کرے کہ جج مذکور ان میں اسباب کی بنا پر علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔

وفاتی عدالت کے ججوں کے شرائط | صرف وہی شخص وفاتی عدالت کلج بن سکتا ہو جو

(۱) برطانوی ہند یا کسی وفاتی ریاست میں پانچ برس تک کسی عدالت عالیہ کا جج رہ چکا ہو یا

(۲) دس سال سے انگلستان یا شمالی آئرلینڈ میں بیرسٹری کر رہا ہو یا دس برس سے اسکاٹ لینڈ کی فیکلٹی آف ایڈوکیٹس کا ممبر ہو یا

(۳) کم سے کم دس برس تک برطانوی ہند یا کسی وفاتی عدالت میں جج رہا ہو
وفاتی عدالت دہلی میں یا کسی ایسے مقام یا مقامات پر اجلاس کیا کرتی
ہے جن کا تعین چیف جسٹس آف انڈیا گورنر جنرل سے منظوری حاصل کرنے کے بعد
کر دے۔ برطانوی ہند اور وفاتی ریاستوں کی ہائی کورٹوں کے فیصلوں کی
اپیلیں اس عدالت میں سماعت ہو کریں گی۔

اختیارات عدالت | کسی ایسے نزاعی معاملہ کا فیصلہ جس میں کوئی ریاست مدعی یا مدعا علیہ ہو وفاقی عدالت اسی وقت کرے گی جب تنازعہ فیہ معاملہ :-

(۱) ان قانون ساز یا عالمانہ اختیارات کی حدود میں آتا ہو جو ریاست مذکور کے وثیقہ شمولیت کی رو سے وفاقی حکومت کو ریاست میں حاصل ہیں (۲) اس سمجھوتے سے تعلق رکھتا ہو جو کسی وفاقی قانون کو ریاست میں نافذ کرنے کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔

(۳) کسی ایسے امر سے متعلق ہو جس پر وفاقی جماعت قانون ساز ریاست مذکور کے لئے قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے۔

(۴) اس سمجھوتے کے تعلق میں ہو جو قیام وفاق کے بعد کسی ریاست اور وفاق یا کسی ریاست اور کسی صوبے کے درمیان ملک معظم کے کائنات کی منظوری سے بدیں غرض ہوا ہو کہ تاج کے فرائض جو ریاستوں کے سلسلہ میں اس پر عائد ہوتے ہیں ادا کئے جاسکیں۔

ان معاملات میں وفاقی عدالت کا اختیار معطل سمجھا جائے گا جو کسی سمجھوتے کی رو سے اس کے اختیار سے بالاتر تسلیم کئے جا چکے ہیں۔

کسی عدالت عالیہ کے فیصلے کی اپیل وفاقی عدالت میرا ہی صورت میں ہو سکے گی جب عدالت عالیہ اس بات کا سرٹیفیکٹ دیدے کہ مقدمے میں دستور ۳۵ء یا کسی حکم یا اختیار کونسل کی ترجیحی کے سلسلہ میں ٹھوہ قانونی سوال اٹھتا ہے۔ برطانوی مہندگی ہر عدالت عالیہ کا یہ فرض ہو گا کہ وہ ہر مقدمہ

میں یہ دیکھ کر آیا اس قسم کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے یا نہیں اور خود اپنی تحریک سے سٹرٹیکٹ دے یا اس کے برعکس عمل کرے۔ گورنر جنرل کی اجازت لیکر وفاقی جماعت قانون ساز ایک قانون اس موضوع کا بنا سکتی ہے کہ فلاں فلاں دیوانی مقدمات میں بلا سٹرٹیکٹ بھی برطانوی ہند کی عدالت ہائے عالیہ کے فیصلوں کی اپیلیں وفاقی عدالت میں سنی جاسکتی ہیں۔ مگر اس قانون کے ماتحت صرف انہی مقدموں کی اپیلیں وفاقی عدالت میں ہو سکتی ہیں جو پچاس ہزار روپے کی مالیت کے ہوں اور جن کی اپیل کی وفاقی عدالت نے خاص طور پر منظوری دی ہو کسی ریاست کی عدالت عالیہ کے فیصلے کی اپیل وفاقی عدالت میں بطور مقدمہ خاص سماعت کی جایا کرے گی اور اس کا سبب یہ بیان کیا جائے گا کہ کوئی قانونی معاملہ غلط فیصلہ کیا گیا ہے۔

وفاقی عدالت کی اپیل | وفاقی عدالت کے فیصلوں کی اپیلیں ان معاملات میں جو دستور کی ترجمانی کے

اعتبار سے یا ترقیہ شمولیت کی رو سے وفاقی حکومت کے اختیارات سے متعلق ہیں عدالت وفاق کی منظوری حاصل کئے بغیر اور دیگر معاملات میں اس کی یا ملک معظم یا اختیار کنسل کی منظوری سے (پریوی کونسل کی جو ڈشیل کمیٹی کے سامنے پیش ہو سکیں گی۔

عدالت وفاق بحیثیت مشیر سلطنت | اگر کسی وقت گورنر جنرل یہ دیکھے گا کہ ایک اہم

قانونی سوال پیدا ہو گیا ہے یا ہو جانے والا ہے اور اس سوال پر وفاقی

عدالت کی رائے حاصل کرنی ضروری ہے تو وہ عدالت سے مشورہ طلب کرے گا اور وفاقی عدالت مناسب سماعت کے بعد اس قانونی سوال پر گورنر جنرل کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ رپورٹ اسی رائے سے مرتب ہوگی جو کھلی عدالت میں ظاہر کی جائے گی اور جس سے سماعت کرنے والے عجموں کی اکثریت متفق ہوگی۔ اختلافی آراء بھی ظاہر کی جاسکیں گی۔

انگلستان میں بھی یہ دستور ہے کہ ملک معظم کی طرف سے بعض اہم معاملات میں پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی سے استصواب رائے کیا جاتا ہے۔ اور کمیٹی ملک معظم کو اپنا مشورہ پیش کرتی ہے مگر وہاں اختلافی آراء کا اظہار نہیں ہوتا۔ یہ طریق کاریہیگ کی بین الاقوامی عدالت کا ہے۔

جدید دستور کی رو سے کلکتہ بمبئی

مد. اس۔ الہ آباد۔ لاہور اور پٹنہ

برطانوی ہند کی عدالتیں

کی عدالت ہائے عالیہ اودھ کی چیف کورٹ۔ صوبجات متوسط و برار۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی جوڈیشل کمشنروں کی عدالتیں، عدالت ہائے عالیہ سلیم کی جائیں گی۔ بنگال، مدراس اور بمبئی میں عدالتیں ۱۷۲۶ء میں جاری اول شاہ انگلستان کی ایک سند کی رو سے قائم ہوئی تھیں ۱۸۴۱ء میں ایک ایکٹ کی رو سے تاج کو بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں کورٹ آف جوڈیچر قائم کرنے کا اختیار ملا۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے لئے عدالت عالیہ (جواب دہانی کورٹ آف جوڈیچر الہ آباد ہے) ۱۸۶۶ء میں بنی۔ پٹنہ کی عدالت عالیہ ۱۹۱۶ء میں اور لاہور کی ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی

اودھ میں چیف کورٹ جوڈیشل کمشنر کی عدالت کی جگہ ۱۹۲۶ء قائم کی گئی۔ اسکے اختیار عدالت عالیہ اختیارات کے برابر ہیں۔ جدید دستور سے قبل کلکتہ کی عدالت عالیہ مرکزی حکومت کے اور بانی عدالتہائے عالیہ مقامی حکومتوں کے ماتحت تھیں۔ جدید دستور نے عدالت عالیہ کلکتہ کو حکومت بنگال سے منتقل کر دیا اور

ججوں کا تقرر | اب سے قبل یہ ضروری تھا کہ ہر عدالت عالیہ کے ججوں کی ایک تہائی تعداد انگلستان یا آئرلینڈ یا

اسکاٹ لینڈ کی سند یافتہ ہو۔ اور ایک تہائی تعداد انڈین سول سروس کے افراد کی ہو۔ جدید دستور نے ان دونوں شرائط کو اڑا دیا ہے چیدہ کیٹی کے الفاظ میں اس سے بعض اوقات بلند پایہ جج دستیاب ہونے میں دشواری ہوتی تھی، تاہم کیٹی نے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کر دیا کہ انڈین سول سروس کے افراد شعبہ عدالت کا ایک اہم اور قیمتی عنصر ہیں اور ان کی موجودگی سے عدالتہائے عالیہ کی قوت واستعداد میں قابل لحاظ اضافہ ہوتا ہے۔ جدید دستور سے قبل انڈین سول جج عدالت عالیہ کے مستقل چیف

جسٹس نہیں بن سکتے تھے۔ دستور نے اس معاملہ میں ملک معظم کی پسند پر سے پابندی ہٹا دی ہے۔ آئندہ عدالت عالیہ کا ہر جج ملک معظم کی طرف سے مقرر ہوگا اور ساٹھ برس کی عمر تک جج کے منصب پر فائز رہے گا ورنہ عدالت میں ججوں کے سبکدوش ہونے کی عمر پینسٹھ برس ہے مگر اس سے قبل بھی وہ علیحدہ ہو سکے گا۔ علیحدگی کی صورتوں کا تذکرہ وفاقی عدالت کے ججوں کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ عدالت عالیہ کے ججوں کے لئے شرائط

صلاحیت بھی وہی ہیں جو وفاقی عدالت کے ججوں کے لئے ہیں اور اوپر مدعج ہو چکی ہیں

مقدمات کا تبادلہ | اگر اس امر کی درخواست پیش ہو اور عدالت عالیہ اپنا یہ اطمینان بھی کر لے کہ ماتحت عدالت میں

ایک ایسا مقدمہ چل رہا ہے جسے وہ اپنے ہاں لے سکتی ہے اور جس میں کسی وفاقی یا صوبائی قانون کی صحت کا سوال درپیش ہے تو وہ اس مقدمے کو اپنے ہاں منگوا سکتی ہے۔ اس ضمن میں درخواست انتقال مقدمہ وفاق کے لئے وفاقی ایڈووکیٹ جنرل یا صوبے کے لئے وفاقی ایڈووکیٹ جنرل یا صوبائی ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے دی جائے گی۔ وفاقی عدالت اور عدالت ہائے عالیہ کی عدالتی زبان انگریزی ہوگی۔

ڈسٹرکٹ جج | ڈسٹرکٹ ججوں کا تقرر ان کا تعین اور ان کی ترقی صوبائی میں گورنروں کے ہاتھوں میں ہوگی وہ ان معاملات میں تمیز خصوصی سے کام لیں گے پیشتر اس کے کہ ان معاملات میں گورنر سے سفارش کی جائے، عدالت عالیہ سے ضرور مشورہ لیا جائے گا۔

کوئی ایسا فرد جو پہلے سے ملک معظم کا نوکر نہ ہو صرف اسی صورت میں جج بننے کا اہل ہوگا جب وہ کم از کم پانچ برس تک بیرسٹری کر چکا ہو۔ اسکاٹ لینڈ کی فیکٹی آف ایڈووکیٹس کا ممبر یا پلڈر رہ چکا ہو جس کے تقرر کی ہائی کورٹ کی طرف سے سفارش کی گئی ہو۔

ڈسٹرکٹ جج کی اصطلاح مندرجہ ذیل پر حاوی ہے ایڈنیٹل ڈسٹرکٹ جج، جوائنٹ ڈسٹرکٹ جج، سسٹنٹ ڈسٹرکٹ جج، چیف جج عدالت خفیہ،

چیف پریسڈنسی مجسٹریٹ سشن جج، ایڈیشنل سیشن جج اور اسسٹنٹ سیشن جج۔ ڈسٹرکٹ جج سے کمتر افراد کا تقرر صوبائی پبلک سروس کمیشن کے امتحان مقابلہ سے ہو گا۔ معیار قابلیت صوبہ کا گورنر، صوبائی پبلک سروس کمیشن اور عدالت عالیہ سے مشورہ کرنے کے بعد متعین کرے گا۔ ان کو آزادی عمل دینے پر حیدر کمپنی نے اصرار کیا تھا اور دستور میں اس اصرار کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے۔ ڈسٹرکٹ جج سے کمتر عہدوں پر تقرر عہدے داروں کی ترقی اور تقیبلوں وغیرہ کا اختیار عدالت عالیہ کے ہاتھوں میں ہو گا۔ تاہم یہ عہدہ دار اپیل کرنے کے حقدار ہوں گے۔

انٹیری مجسٹریٹ | کسی شخص کو مجسٹریٹ کے اختیارات اسی وقت تفویض ہوں گے جب پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا چیف پریسڈنسی مجسٹریٹ سے مشورہ کر لیا جائے گا۔ یہی صورت مجسٹریٹ کا اختیار واپس لینے وقت بھی اختیار کی جائے گی۔

ہندوستان میں جیلوں کا آغاز | ۱۷۶۶ء سے ہندوستان میں جیلوں کا آغاز ہوا جہاں جہاں انگریزوں نے قدم جمائے وہاں وہاں جیل خانوں کی تعمیر شروع ہوئی پہلے ہندوستانی طریقہ کو برتا اور قلعوں میں جیل خانے بنوائے۔ مدراس اور کلکتہ کا قلعہ بھی اسی کام کے لئے استعمال کیا گیا۔ چنانچہ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ کلکتہ کا بلیک ہاں اصل میں کلکتہ کے قلعہ کا انگریزی جیل خانہ تھا جس میں انگریز قیدی بند کئے جاتے تھے۔

۱۸۵۷ء تک انگریزوں نے بہت سے ہندوستانی مشاہیر و اہلاد کو قلعوں میں مقید کیا۔ چنانچہ ۱۸۵۰ء میں وزیر علی عرف مناجان شاہ اودھ کو کلکتہ کے قلعے کی کوٹھری میں اور ۱۸۵۴ء میں خاندان ٹیپو کو بلور کے قلعے میں اور ۱۸۱۸ء میں دیوان ترمبک اور ۱۸۴۸ء میں رانی جیند کو خیار کے قلعے میں اور نواب واجد علی شاہ کو ۱۸۵۷ء میں ولیم فورٹ میں مقید کیا۔

نواب صاحب نے جیل خانہ سے جو واجد علی شاہ قید خانہ میں خطوط لکھے ہیں ان سے اس جیل کی حیثیت معلوم ہوتی ہے خطوط کے اقتباسات یہ ہیں۔

جس میں اب ہم قید ہیں اس کو ولیم فورٹ کہتے ہیں۔ اور اس کو قلی باب بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں یہاں لارڈ کننگ ڈھوڑی کے قائم مقام تھے ان کا ایک خط ہمارے نام آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ مفسدین نے آپ کو بدنام کر رکھا ہے اس واسطے کوٹھنل کی تجویز ہوئی کہ چندے آپ تبدیل مکان کر دیں میں نے جواب میں لکھا کہ مجھ کو مفسدین کی کچھ خبر نہیں۔ میں کسی فساد میں شامل نہ ہوں گا۔ اس قلعے میں میری زندگی دشوار ہے مجھ کو اجازت ہوئی چاہئے کہ میں اپنے گھر میں رہوں۔ آٹھ روزے بعد یہ تجویز ہوئی کہ ہم قلعہ کے اندر جو کوٹھی ہے اس میں آٹھ جائیں اور سوائے تیس آدمیوں کے جو نمائے ہمراہ ہیں پندرہ تک پر نہ مار سکے۔ قید خانے کے دروازے بند کر دیئے گئے ہمارا دم گھٹنے لگا۔ جو لوگ برے ساتھ قید خانے میں آئے ان کے نام یہ ہیں۔

واجہ علی شاہ کے ہمراہ قیدی | مجاہد الدولہ ذوالفقار الدولہ
فتح الدولہ خزانچی کاظم علی

سوار، باقر علی، محمد جان چوہدری، حیدر خاں کول بردار، امیر بیگ خواص، ولی محمد
مہتر، محمد شیر خاں گولہ انداز، کریم بخش سقہ، حاجی قادر بخش کھار انگشت بردار،
امامی گاڑی پوچھنے والا، ایک ملازم عبدالرزاق کان میلہ بنگالی عورتوں
میں راحت السلطان خاصہ بردار، کر بلائی، حسینی گلوری والی اور محمد خانم غلامانی
نواب کے کھانے کا معائنہ | دو برس مجھ کو اس قید خانہ میں ہو چکے
ہیں۔ اسی مصیبت سے رات دن

کٹتے ہیں۔ مھر سے دو وقتا کھانا آتا ہے۔ دیکھی کھول کر دیکھ لی جاتی ہے
جب کہیں مجھ تک آنے پاتی ہے۔ نہ کوئی غمخوار ہے نہ غریب ہے نہ یار ہے
کسی سے بات کرنے کا حکم ہے نہ کوئی آتا ہے۔

ملاقات اعزاء ممنوع | یہ سب صدے ۱۲۷۲ء میں بھگت
رہا ہوں۔ اس وقت میرا سن ۳۳ سال

کا ہے۔ دوسری منکوہ انٹر محل دختر علی نقی خاں سے ایک لڑکا پیدا ہونے
کی خبر ہوئی۔ افسوس باپ قیدی میں ہے بیٹے کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ ایک
قید خانے میں ہم پڑے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف سے حراست ہمارے
اٹھارہ آدمی رات دن مصیبت جھیل رہے ہیں۔ بہت سے ساتھی جا چکے
ہیں۔ ہر ایک اپنے سے بیزار ہے۔ قید غم میں گرفتار ہے۔

نواب پرنسپل کی پابندیاں | بہشتی، خاکروب آتے ہیں ان کے ساتھ

ایک ایک گور اٹھاتا ہے مجال کیا ہے جو منہ سے بول سکے۔ روشنی والا جب تیل لے کر آتا ہے گورے کی ٹھوکر ضرور کھاتا ہے۔ ہر برٹ صاحب دونوں وقت روز آتے ہیں جو کرنل کے پیش دست میجر ہیں۔ وہی زنداں کا بندوبست کرتے ہیں۔ قیدیوں کی گفتی لیتے ہیں۔ ایک داروغہ زنداں کا لن صاحب ہے۔

علاج معالجہ | جو کوئی ملازم بیمار ہوتا ہے تو ایک ڈاکٹر معالجہ کے واسطے آتا ہے۔ میری طبیعت جب علیل ہوتی ہے تو معالجہ خاص طبیب آتا ہے۔ ایسی سخت تکلیف ہے کہ جس سے دل تنگ اور پریشان ہوں۔

جیل کی کوٹھی کی حقیقت | قید خانے کی کوٹھی بہت وسیع ہے مگر میرے کس کام کی ہے ہر وقت ڈانس بند گرمی سے تنگ ہے۔ حالت تباہ ہے۔ جب دروازے کھلتے ہیں تو دھوپ کی شدت سے جان بیزار ہوتی ہے۔ درجہ وسطیٰ میں ہم قید ہیں۔ نیچے کا درجہ اور اوپر کا بالکل خالی ہے گویا مطلق لٹکے ہوئے ہیں۔ کئی مرتبہ لاٹ صاحب کو شکایتی خطوط بھیجے مگر کسی کا جواب نہ ملا۔

نواب وزیر علی خاں کی اسیری | اسی قلعہ میں نواب وزیر علیخان صوبدار اودھ ساری عمر قید رہے ”سوانحیات سلاطین اودھ“ کے مصنف سید کمال الدین حیدر اس اودھ کے جلاوطن حکمران کا اسیری اور موت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

مرزا وزیر علی خاں ایک جنگل میں رہتے تھے جس کی غلام گردش میں آہنی
سلاخیں تھیں۔ کوئی ہندوستانی نہ جانے پاتا تھا فقط ڈاکٹر جایا کرتے تھے
کچھ کتابیں تاریخ کی انیس تنہائی تھیں۔ مگر ورزش کے لئے رکھتے
تھے۔ گوروں کا ڈبل پہرہ رہتا تھا۔ ۳۶ برس کے سن میں ۸ جون ۱۸۵۷ء
مطابق ماہ شعبان ۱۲۳۶ھ عارضہ تب و نیمرہ سے انتقال کیا۔ مقبرہ آج تک
مقفل رہتا ہے۔ وفات کے وقت ملاکیر صاحب کو تو ال شہر تھے۔ لاش کے
غسل کے وقت گورے علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ جب مرزا جعفر جن کو ضروریات
کے واسطے بلوایا تھا ہوا تو گھر جانے لگے تب گورے وفات کے
باہر گئے۔ بعدہ دفن کے بعد بھی چند روز گارو رہا۔“

۱۸۳۸ء تک جیلوں کی تعداد | ۱۸۳۸ء میں بنگال کے
ضلعوں، صوبہ سرحد، دہلی،
بمبئی میں دیوانی قیدیوں کے لئے ۲۳ جلیں اور فوجداری قیدیوں کے
لئے ۷۵ جلیں اور مشترکہ قیدیوں کے لئے ۶۸ جلیں تھیں جس میں ۲۰۷۹
قیدی رکھے جاسکتے تھے۔ اس وقت ان جیلوں میں ۲۳۷۹۰ مقید تھے
جو ہوتے ہوتے ۵۶۶۳۲ کی تعداد تک پہنچ گئے تھے۔

قیدیوں کا عمارتیں بنانا | بہت سے قیدی سڑکیں اور مکانات
بناتے تھے جن کو ان کے ضلعوں سے
بہت دور رکھا جاتا تھا۔ حقیقت ہے کہ اس وقت بنگال میں ۲۹ ہزار قیدی
میں سے ۱۳ ہزار قیدی گرانڈ ٹرنک روڈ بنانے پر مامور تھے اور جیل کا قاعدہ

یہ تھا کہ قیدی سزا بامشقت لے کر آتا اس سے سڑکیں بنوائی جاتی تھیں۔ اور بقایا عام قیدیوں سے کوئی کام نہ لیا جاتا تھا اور اگر کچھ قیدیوں سے کام بھی لیا جاتا تو معمولی اور ان کو جیل میں رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ قیدیوں کی ڈسپلن کمیٹی کی رپورٹ میں جو ۱۸۳۸ء میں چھپی تھی درج ہے کہ کلکتہ اور مدراس اور بمبئی کی جیلوں میں تمام قیدی بیکار ہیں۔ چنانچہ یہ پوزیشن اس لئے تھی کہ قانون میں قیدی سے مشقت لینے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ مگر ان جیلوں میں قیدی قائلین، کپڑے اور دریاں بننے کا کام کرتے تھے جو جیل کی مرضی پر ہوتا۔ وہ جس سے جو مناسب سمجھتا تھا کام لیتا تھا۔

۱۸۳۶ء کی کمیٹی نے اس بیکار رہنے کے طریقہ کو محض قید کا آغاز | بھدنا پسند کیا اور سفارش کی کہ جیلوں میں قانوناً دن میں عام قیدیوں سے چھ گھنٹے کام لیا جائے اور محسٹریٹ کو چاہئے کہ اگر وہ قیدی کو سزا دے بامشقت نہ دے اور محض سزا دے تو اس کا ذکر اپنے فیصلہ میں کر دے چنانچہ اس زمانے میں محض قید کا آغاز ہوا۔

سڑکیں بنانا بند | اس کمیٹی نے ان قیدیوں کے مسئلہ پر جو سڑکیں بناتے تھے ہمدردانہ طریقہ پر غور کیا۔ تو یہ محسوس کیا کہ جن حالات کے ماتحت وہ کام کرتے ہیں وہ انتہائی ناانسانی تھیں۔ جس سے قیدیوں کی کثیر تعداد بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور لا تعداد اموات واقع ہوتی ہیں اس بناء پر انہوں نے اس طریقہ سے کام نہ لینے کی سفارش کی جس کی وجہ سے سڑکیں بنانے کا کام قیدیوں سے لیا جانا بند

کر دیا گیا۔ اور جیل میں بھی کام لینے کا طریقہ رائج کر دیا گیا جو آج تک جاری ہے۔
درجہ بندی | ہندوستان کی ۱۸۳۸ء کی جیلوں کی حالت سے
 پتہ چلتا ہے کہ پہلے قیدیوں کی علیحدگی اور درجہ بندی

معمولی طور پر تھی۔ مرد عورتوں سے علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ دیوانی قیدی
 اخلاقی قیدیوں سے اور حوالاتی تمام قیدیوں سے علیحدہ رکھے جاتے تھے
 اور جن قیدیوں کی سزا با مشقت ہوتی تھی ان کو محض قیدیوں سے علیحدہ رکھا جاتا
 تھا۔ اس کے علاوہ قیدیوں کی درجہ بندی ہر ایک ضلع کے انتظام برکی
 جاتی تھی۔ بنگال میں سزا کی میعاد کے لحاظ سے درجہ بندی ہوتی تھی لیکن ممبئی
 میں قوم اور مذہب کو مد نظر رکھ کر کلاسیں تقسیم ہوتی تھیں ۱۸۳۸ء کی کمیٹی
 نے جرم کے لحاظ سے درجہ بندی کرنے کی سفارش کی اور ساتھ ہی اس
 بات پر زور دیا کہ یہ درجہ بندی اور علیحدگی حوالاتیوں میں بھی ہونی چاہئے۔

قیدیوں کی تعلیم کی مخالفت | جبرتنا انگلیز بات یہ ہے کہ کمیٹی اس
 بات کی مخالفت تھی کہ نابالغوں کو بالغ

قیدیوں سے علیحدہ رکھا جائے جس طرح کہ آج کل علیحدہ رکھا جاتا ہے لیکن وہ
 جو ظہر کی تھی وہ یہ تھی کہ نابالغوں کا و تیرہ ندی اور ذہنی طور پر جوان و
 بالغ قیدیوں کی موجودگی میں اتنا برا نہیں ہوتا جتنا کہ ان کی عدم موجودگی میں
 ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کمیٹی قیدیوں کی تعلیم کے خلاف تھی۔ ان کا خیال تھا
 کہ تعلیم سے قیدیوں کا چال چلن میں اصلاح ہونا ناممکن ہے۔ انگریزی جیل
 خانوں میں جو سزا کے واسطے طریقے برتے جاتے تھے ان کی جھلک کہیں کہیں

کیمٹی کی رپورٹ میں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر کیمٹی نے سفارش کی تھی کہ ہندوستان کی جیلوں میں ٹریڈ ویلز شروع کئے جائیں اور قید تہائی میں اضافہ کیا جائے۔

خوراک کی قیمت سکوں کی شکل میں | زمانہ سابقہ میں قیدیوں کی خوراک کی بجائے اس کی

قیمت سکوں کی شکل میں دی جاتی تھی جس کو مدراس بمبئی کی جیلوں میں سب سے پہلے بند کیا گیا۔ اور ۱۸۳۸ء میں بنگال شمال مغربی صوبوں میں منسوخ کیا۔

جیل کی غلط بناوٹ | موجودہ زمانے کے مطابق ان جیلوں کی بناوٹ غلط تھی۔ یہاں تک کہ علی پور کا بڑا

جیل خانہ جس کی تعمیر ۱۸۵۷ء میں ہوئی اور جس میں ایک ہزار قیدی رکھے جاتے تھے نقائص سے پر تھا۔ اس جیل کی بارہ سیرکوں میں گیارہ سوماپس و امیڈسکن قیدی اکٹھے سوتے تھے اور ایک ہی کھلی جگہ میں تمام قیدیوں کو دوپہر سے شام تک رکھا جاتا تھا۔ ان کا مختصر سا بورڈوں کے بننے کا کام سسٹنٹ و کابل قیدی بھی دوپہر تک ختم کر دیتا تھا۔ بقایا وقت خوش و خرم رہے، سستانے میں اڑائیں اور روٹی پکانے میں لگا دیتا تھا۔ روٹی کھانے کا سامان جیل کے بازار سے خرید جاتا تھا جو ایک کھلی جگہ پر فروخت ہوتا تھا۔ سسٹنی کے علاوہ ڈسپلن کا ان میں بالکل فکر و خیال نہ تھا۔ جو سپاہی ان کی نگرانی کرتے تھے ان کا قیدیوں پر کوئی اثر نہ تھا کیونکہ سپاہیوں کے پاس کوئی عجب و لا سامان نہ ہوتا تھا اور ان کی تعلقہ بھی معمولی سی ہوتی تھی۔

ہندوستان کی جلیں انگلینڈ کی جیلوں سے بہتر

بہر حال ۱۸۳۸ء کی کمیٹی نے
ہندوستان کی جیلوں کی عمارات

اور اس کے قواعد و ضوابط کو نئے قرار دیا اور توجہ دلائی کہ ہندوستان بھی اسی قدر ترقی
یافتہ ہے جتنی کہ انگلینڈ ہے اور ہندوستان میں ہارڈ کی کمی بخیروں پر عمل کیا جا چکا
ہے جن پر انگلینڈ نے ابھی عمل کرنا شروع کیا ہے۔ ڈاکٹر موٹ (۱۸۵۷ء) لکھتا ہے

اگرچہ ہندوستان کی جیلوں میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی ہے لیکن پھر بھی
بہت کچھ اصلاح کرنا باقی ہے کسی جیلوں میں عملہ تھوڑا ہے اور داروغوں
کی ہدایت کے تحت جو انتظام ہو رہا ہے وہ نامکمل ہے کسی جلیں
گندہ و غلیظ تھیں اور ان کا ڈسپلن کمزور تھا باوجود ان نقائص کے
ہندوستان کی جلیں انگلینڈ کی جیلوں سے بدرجہا بہتر تھیں قیدیوں
کی موت کی اوسط ہندوستان کے جیل خانوں سے بہت زیادہ انگلینڈ
کے جیل خانوں کی تھی۔“ (آدم)

سنگاپور کے مقامی مجرموں کو جیل نظام کے شروع ۳۵ سالوں میں جلاوطنوں
کے ساتھ رکھا جاتا تھا جب کہ ۱۸۳۸ء کی کمیٹی نے مذمت کی۔ اس لئے ایک نئی جیل تیار
ہونا شروع ہوئی جو سن ۱۸۶۱ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی جب کہ معائنہ کرنے کیلئے پانچ سال
بعد ڈاکٹر موٹ گئے اور جیل اور اس کے نظام کو نئی بخش قرار دیا اور لکھا کہ :-

”اس جیل میں صفائی اور کام اور سزا کا طریقہ اور قیدیوں کی صحت کا
معیار میں نے یورپ اور ایشیا کی کسی جیل میں نہیں پایا اور اسکی کفایت
مشاری ڈسپلن کی تقلید ہندوستان کی بہت سی جیلوں نے کی ہے۔“

جیل کا دور موٹ

ڈاکٹر موٹ کے دور کے بعد اور اسکی کچھ سفارشات کی وجہ سے ہندوستان کی جیونکی عمارت اور نظام میں اصلاح کی گئی۔ ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک مدراس میں بڑی عروج پائی۔ کیمسٹر سلیم اور ترچیاہلی میں تیار کی گئیں سلیم کا جیل خانہ دو سو سے زائد قیدیوں کے لیے تھا۔ اس میں کوٹھریاں علیحدہ اور دو مندرجہ ہیں اور اس طرح بنی ہوئی ہیں جس طرح دو دائرے ایک دوسرے کو گلٹے ہیں۔ ہر ایک دائرے میں کوٹھریوں کے تین تین بلاک ہیں جو کہ اور دائروں سے تبدیل ہوتے جاتے ہیں تاکہ روشنی اور ہوا کا انتظام عمدہ رہے۔ دوسری جلیں ترچیاہلی کیمسٹر اور ڈھنگ کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان ایک چکر ہے اور اس کے ارد گرد کوٹھریوں کا دائرہ ہے۔ اس طریقہ کی اکثر جلیں تمام ہندوستان میں بنائی گئی ہیں جیسے کہ تانپور اور جیل پوری۔

ہندوستان کے جیلوں کے سلسلہ میں ان ۸۶ سالوں کے اندر کافی ترقی کی ہے۔ کیمسٹر جیل جب تیار کیا گیا تو اس میں علیحدہ کوٹھریاں نہیں بنائی گئی تھیں اس میں صرف بیس علیحدہ کوٹھریاں تھیں جن میں مجسٹریٹوں کی دی ہوئی قید تہائی والے قیدی رکھے جاتے تھے باقی تمام قیدی بیروں میں اٹھ سوتے تھے۔ اب وہاں پندرہ سو قیدیوں کی جیل میں آٹھ سو کوٹھریاں بنوا دی گئی ہیں اسکا پہلا ہسپتال دو دائروں میں تھا اور اس کا جو مطبخ تھا وہ بیت الخلاء اور پوسٹ مارم کرنے والے کمروں کے درمیان تھا۔ مگر اب موجودہ روش خیالی ہے ان چیزوں میں تبدیلی کر دی ہے اور ہر ایک بیماری کے مریضوں کیلئے علیحدہ علیحدہ بیک بنائے گئے ہیں اور آپریشن کیلئے علیحدہ کمرے اور انتظام کرنے کیلئے جدا جدا محکمہ بنائے گئے ہیں

بیاہی سال پہلے پینے کے پانی پر کوئی توجہ نہ دی جاتی تھی اور اس کو صاف نہیں کیا جاتا تھا۔ قیدی کھلے مقامات پر غسل کرتے تھے اور پینے کا پانی لکڑی کی بالٹیوں سے کھینچا جاتا تھا۔ آجکل پینے کے پانی کو صاف کیا جاتا ہے اور اس میں کلورن ڈالی جاتی ہے اور پائپ کے ذریعہ تمام جیل میں پہنچایا جاتا ہے۔ غسل فواروں کے نیچے کیا جاتا ہے۔ بیت الخلاء میں مکھیاں داخل نہیں ہو سکتیں۔ زندگی کو مشین سے نکال کر گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خوراک کے بھی انتظامات کئے گئے ہیں۔ بڑا مطبخ بنایا جاتا ہے جس میں مکھیاں داخل نہیں ہو سکتیں اور وہاں پر اچھی نگرانی کے ماتحت تمام کھانا تیار کیا جاتا ہے اور ان تمام حفظانِ صحت کے اصولوں کی وجہ سے قیدیوں کی صحت میں خاص تبدیلی رونما ہوئی اور ان کو وبائی بیماریوں سے نجات مل گئی۔ مدراس کی جیلوں میں اموات کی اوسط ہندوستان کی تمام جیلوں سے کم ہے جسکی وجہ مدراس کی جیلوں کا اصول حفظانِ صحت کو مقدم رکھنا ہے۔

جیلوں کی سابقہ تنظیم میں بھی تبدیلی کی گئی۔ ۱۸۷۲ء میں کیمبور صوبہ ضلع کی جیلوں میں ہر سال پانچ سو سے زیادہ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ اور کوڑے لگانے کا مقصد یہ تھا کہ تنظیم قائم رہے لیکن اب جبکہ زیادہ تعداد میں کوڑے نہیں لگائے جاتے تنظیم میں کوئی خرابی نہیں ہے اور نہ کام میں کسی قسم کی کمی ہے اور نہ کسی قسم کا فرق پڑا ہے۔

جیل ایکٹ ۱۸۹۴ء میں اور دوسرا جیل ایکٹ ۱۸۹۹ء میں نافذ کیا گیا جس میں جیل کے تمام ضروری مسائل مثلاً سپرنٹنڈنٹ، میڈیکل افسر، جیلر، اسسٹنٹ جیلر، دربان، سز یافتہ قیدی کے فرائض، جیل ڈسپلن، کھانا، کپڑا، بلڈنگ

موجودہ جیل خانوں کا مقصد | اگرچہ تعزیرات ہند جرموں کے روکنے اور دبانے کے لئے

بنایا گیا ہے لیکن جیلوں کا صیغہ عدالتوں کی دی ہوئی سہراؤں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ قید کا مقصد انسان کو اور قوم کو جرموں سے بچانا ہے اور سوسائٹی کے خلاف کردہ گناہوں کو دور کرنا ہے۔ اور مجرموں کو علیحدہ رکھ کر سوسائٹی کو برائیوں سے بچانا ہے۔

۱۸۳۸ء کی جیل کمیٹی نے جیل کے چار مقصد بیان کئے ہیں :-

- (۱) سوسائٹی کو گناہ سے دور کرنا۔
- (۲) آدمی کو گناہ سے دور رکھنا۔
- (۳) آدمی کو سزا دے کر اس کو گناہ و جرم کرنے سے بچانا۔

(۴) اصلاح قیدیان

اس کمیٹی کا خیال ہے کہ سب سے پہلی چیز انتہائی ضروری ہے۔ لیکن آخری بات میں اُن کا کوئی اعتماد نہیں۔

ہارڈ اور اس کے ساتھیوں کی طرح کمیٹی کا خیال تھا کہ قیدیوں کی اصلاح قید تنہائی اور مذہبی ہدایات سے ہو سکتی ہے

اس زمانہ میں یہ ماننا پڑے گا کہ ہندوستان میں قید کرنے سے گناہ نہیں ترک ہو سکتے۔ لیکن اس بات کا کوئی افسوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جو نئے گناہ اور جرموں کو روکنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ ہمیشہ ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے بجائے اس بات کی کوشش کرنی ضروری ہے کہ مجرم کی

اس طرح تربیت دی جائے کہ رہائی کے بعد وہ قوانین شہری کی قدر کر سکے۔
 آجکل کے جیل خانوں کے مقصد یہ ہیں :-

(۱) ان مجرموں کو جو قوانین نہیں مانتے اور جان بوجھ کر سوسائٹی کے خلاف جھگڑتے ہیں ایک مدت کے لئے سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ سوسائٹی کی حفاظت ہو سکے۔

(۲) اس علیحدگی کے دور میں جیل کے ایسا سلوک کیا جائے کہ رہائی کے بعد وہ جرم نہ کر سکیں اور شہری قوانین کی حفاظت کر نوالے بنیں۔
 پہلا مقصد اچھی طرح حاصل ہو سکتا ہے بشرطیکہ شرافت اور انسانیت بڑتی جائے۔ لیکن دوسرا مقصد جلد نہیں تبدیل ہو سکتا ہے۔
 کو پہنچ سکتا ہے



